


لا تدرکه الابصار





آسان شرحِ عقائد





مؤلف

مفتی زید بن عبد الرحمان پالن پوری

استاذ حدیث وتفسیر، جامعہ نور الاسلام (موٹی دمن)

مکتبة الاتّحاد

دیوبند (الھند)






نام کتاب : آسان شرحِ عقائد

مؤلف : مفتی زید بن عبد الرحمان پالن پوری
استاذ حدیث وتفسیر جامعہ نور الاسلام (موٹی دمن)

ٹائپنگ : مولانا یعقوب صاحب پالن پوری (میترانہ)
فاضل جامعہ نور الاسلام (موٹی دمن)

تزئین وترتیب : مولانا احمد بن عبداللہ چودھری
فاضل جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

ناشر : مکتبۃ الاتّحاد دیوبند (الہند)

ملنے کا پتہ:

مکتبۃ الاتّحاد دیوبند (الہند) ۹۸۹۷۲۹۶۹۸۵

مکتبہ مومن نگر (ممبئی، جوگیشوری) ۹۰۲۹۶۷۴۶۱۶

مکتبہ محمدیہ ترکیسر ۷۸۷۴۳۶۷۲۰۷

ادارۃ الصدیق ڈابھیل ۹۹۰۴۸۸۶۱۸۸

رشیدیہ کتب خانہ چھاپی ۹۹۰۴۱۱۱۹۳۸

جمبوسر بھروچ ۹۸۹۸۴۸۴۸۶۰

فہرست مضامین

پیشِ لفظ

الحمد لاھلہ والصلاۃ علی اھلھا

علمِ عقائد ایک عظیم ترین علم ہے: کیوں کہ عقائد صحیحہ سے ایمان ویقین میں کمال اور نور پیدا ہوتا ہے، جبکہ عقائد باطلہ سے آدمی کا یقین کمزور بلکہ متزلزل ہوجاتا ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: عقائد باطلہ سوءِ خاتمہ کے قوی ترین اسباب میں سے ہیں۔"

یہی وجہ ھیکہ سلف صالحین نے علم عقائد کو بڑی اہمیت دی ہے، چنانچہ اسلاف نے کتاب اللہ اور سنت رسول میں مذکور دلائل قطعیہ سے عقائد صحیحہ کا انتخاب فرمایا اور درس نظامی میں داخل فرمایا: فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

عقائد کیسے راسخ ہو؟

درسِ نظامی میں پڑھائی جانے والی مروّجہ کتابوں میں ان عقائد کو ذکر کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے جن میں اختلاف ہوتا ہے، متفق علیہ عقائد کو ان کتابوں میں عموماً ذکر نہیں کیا جاتا۔ لہذا علم عقائد کو حاصل کرنے کے لئے بہترین کتاب کتاب اللہ ہے، پس رب کے بتائے ہوئے عقائد کو بار بار بولنا اور سننا ضروری ہے تاکہ عقائد دل میں راسخ ہوجائیں اور باطل عقائد کی بیخ کنی ہو اس سے واضح ہوگیا کہ: عقائد صرف پڑھانے کے لئے نہیں بلکہ پینے پلانے کا فن ہے۔

فن کیسے حاصل کریں؟

۱۔ کوئی فن بہ حیثیت فن مشکل نہیں ہا! فن کے جزئیات کبھی بھی مشکل آتے رہتے ہیں: لہذا ہر فن کو فن کے ماہر سے خوب سمجھ کر پڑھیں۔

۲۔ ہمارے زمانے میں اگر چہ نام زد معتزلہ وخوارج موجود نہیں لیکن ان کے منقولہ

عقائد ابھی بھی باقی ہیں لہذا موجودہ عقائد سے ہم آہنگ کر کے شرحِ عقائد پڑھیں۔

۳۔عموماً ہر فنی کتاب میں جزئیات ذکر ہوتے ہیں بار بار ان کا دور کرتے رہنے سے ہمارا ذہن انہی جزئیات سے کلیات کا انتزاع کرے گا اور اسی سے فن کے اصول ذہن میں آتے ہیں: جب کوئی آدمی کسی فن کے اصولوں کو محفوظ کر لیتا ہے تو فن حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا احسان

آج سے تقریباً بیس سال پہلے بندے نے حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ: ایک ایسے رسالے کی ضرورت ہے جس میں شرحِ عقائد میں استعمال کردہ مصطلحات کو مختصراً سمجھایا گیا ہو اور طلبہ شرحِ عقائد سے پہلے اس رسالہ کو کسی استاذ کے پاس پڑھ لیں جس سے شرح عقائد کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مفتی زید صاحب فلاحی (استاذ حدیث وتفسیر جامعہ دمن) کو کہ آپ نے طلبائے علوم دینیہ کی اس اہم ضرورت کا احساس فرمایا اور اس مختصر رسالہ کو تحریر فرما کر طلباء پر احسان عظیم فرمایا۔ وجزاکم اللہ احسن الجزاء اور یوں بندے کا وہ خواب بھی شرمندۂ تعبیر ہو گیا۔

چونکہ اس عنوان پر کوئی مختصر رسالہ بہ زبان اردو اس وقت میری نظر میں نہیں ہے یہ رسالہ مختصر بھی اور کسی حد تک جامع بھی ہے لہذا امید ہیں کہ شوقین اساتذہ طلباء کو اس طرف متوجہ فرمائیں گے اور طلبۂ عزیز اس کی قدر کر کے اس سے خوب مستفید ہوں گے۔ (وما ذلک علی اللہ بعزیز)

(شیخ الحدیث ومحشیٔ شرحِ عقائد) بندہ ابوالقاسم محمد الیاس بن عبداللہ

ہمت نگری خادم: مدرسہ دعوت الایمان ٹکولی

عرض مرتب

رب کریم کے فضل وکرم سے تقریباً دس سال سے شرح عقائد پڑھاتا ہوں، جواختصار کے ساتھ تمام ضروری مباحث کو جامع ہے، نیز ماتریدیہ اوراشاعرہ کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے ہر مسئلہ کو مبرہن کیا گیا ہے۔ لیکن ان سب خوبیوں کے باوجود اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کتاب اب مشکل کتابوں میں شمار ہوتی ہے اور طلباء کو اس میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے عاجز نے تحقیق سے زیادہ تسہیل کی فکر کی ہے اور کٹھن مضامین گھول کر پلانے کی کوشش کی ہے اور خاص کر اس کتاب کو موجودہ عقائد سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس سعی کو مشکور فرمائے اور اس سعی میں حصہ لینے والے متعلقین اور والدین کو بہترین بدلہ عطا کرے۔ خصوصاً حضرت مولانا الیاس صاحب قاسمی (صدر مدرس مدرسہ انوار محمدیہ، جوگیشوری، ممبئی) حضرت مولانا الیاس صاحب گڑھا (شیخ الحدیث مانک پور، ٹکولی) حضرت مولانا احمد صاحب چودھری (فاضل جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل) حضرت مفتی عبدالرّب صاحب سعادتی کا کہ انھوں نے نظرِ ثانی فرما کر کتاب کو تقویت بخشی (استاذ جامعہ نورالاسلام، موٹی دمن) اور مولانا یعقوب صاحب پالن پوری (فاضل جامعہ نورالاسلام، موٹی دمن) کا کہ انھوں نے کاروباری مصروفیات کے باوجود تصحیح کرکے کتاب کے حسن کو دوبالا کیا اللہ تعالیٰ ان تمام کو اپنی شایان شان بدلہ عنایت فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

قارئین! یہ کوئی مستقل شرح نہیں ہے بلکہ مضامین کی تسہیل کی ایک سعی ہے اس لیے اسے شرح کی نظر سے نہ دیکھیں اور کوئی غلطی ہو تو مطلع کریں۔

زید پالن پوری
۹۰۱۶۵۴۲۹۳۴



حالات مصنف

العقائد للنسفی کے مصنف کے حالات

نام: عمر

کنیت: ابو حفص

لقب: مفتی الثقلین

والد کا نام: محمد

سن پیدائش: ۴٦١ھ

جائے پیدائش: شہر نسف

وفات: پنج شنبہ، ماہِ جمادی الاولیٰ، سمرقند میں ۵۳٧ھ میں ہوئی، کل ٧٦/سال کی عمر پائی۔

العقائد کی شروحات: (١) شرح عقائد (٢) القلائد علی العقائد (٣) حل العقائد

صاحبِ شرح عقائد کے حالات

نام: مسعود

والد: عمر

دادا: عبداللہ

لقب: سعدالدین

جائے پیدائش: خراسان کا شہر تفتازان

ماہ وسن پیدائش: صفر ٧٢٢ھ

وفات: آپ کا ایک شاگرد آپ کے خلاف مناظرے کے لیے کھڑا ہو گیا، اور فیصل نے آپ کے خلاف فیصلہ دیا، اس صدمے سے آپ صاحب فراش ہو گئے، بالآخر ۲۲ محرم الحرام ۹۲ ے ھ میں کل ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

کارنامہ:

آپ کند ذہن مگر محنتی تھے، ایک دن خواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک آپ کے منہ میں ڈالا، پھر کیا تھا بڑی بڑی کتابیں لکھیں، جن میں درسِ نظامی میں شامل (۱) شرح عقائد (۲) مختصر المعانی (۳) متن التہذیب ہیں۔

ہمارے لیے سبق:

(۱) محنت خوب کرنا چاہیے، چاہے کند ذہن ہی کیوں نہ ہو۔ (۲) اساتذہ کے مقابل میں نہیں آنا چاہیے، ہاں! دلائل کی بنیاد پر ادب واحترام کے ساتھ اختلاف میں کوئی حرج نہیں۔ (۳) حالات سے ایسا صدمہ نہیں لینا چاہیے کہ جو زندگی برباد کر دے، فولاد بن کر جینا چاہیے نہ کہ موم بن کر۔ (۴) مصنف کے کارناموں کو پڑھ کر اچھے جذبات ابھرنے چاہیے، مصنف کو محبت میں ایصال ثواب کرنا چاہیے۔

فنی مباحث

فن کا نام:

علم الکلام اور علم العقائد

اصطلاحی تعریف:

ھو علم یبحث فیہ عن المبدأ والمعاد واحوال الممکنات۔

موضوع:

ذات اللّٰہ وصفاتہ واحوال الممکنات باعتبار العقائد۔یعنی اس فن میں اللہ تعالی کی ذات،صفات اورعقائد کے اعتبار سے مخلوق کے احوال سے بحث کی جاتی ہے۔

غرض وغایت:

اسلامی عقائد کی صحیح معرفت ہوجائے اورشبہات کا ازالہ ہوجائے۔

مدون اول:

حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔اس فن میں ہارون رشید کے دور میں مستقل کام ہوا۔

ملحوظہ:

ہارون رشید کے بیٹے مامون رشید کی شہہ پر اعتزال کا فتنہ زور پکڑا جس کا مقابلہ خاص کر حضرت امام احمد بن حنبل اورشیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔

سبق:

مامون رشید فلسفہ سے متأثر تھا، بہت سی کتابوں کو عربی میں منتقل کروایا تھا جس کا نقصان یہ ہوا کہ لوگوں کے مزاج عملی کی بجائے فلسفی ہوگئے اورفتنۂ اعتزال وجود میں آیا،اس لیے ہمیں لوگوں کا مزاج عملی بنانا چاہیے نہ کہ فلسفی۔

فرقوں کا تعارف

(۱)اہلِ سنت والجماعت کا تعارف:

اہلِ سنت سے مراد وہ لوگ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر چلے یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول یا عمل پر چلے جس پر صحابہ کی جماعت چلی ہو۔والجماعت کا مطلب وہ لوگ جو صحابہ کے اجماع پر چلے۔

ملحوظہ:

اس سے معلوم ہوا کہ آں حضرت ﷺ کا وہ عمل جو آپ ﷺ نے اپنے لیے یا کسی مصلحت یا ضرورت کی وجہ سے کیا ہو وہ سنت نہ ہوگا، اور اس کو پرکھنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ صحابہ کی جماعت آں حضرت ﷺ کے اس عمل پر چلی ہو تو سنت ہوگا ورنہ نہیں۔

امثلہ:

(۱) آں حضرت ﷺ نے کسی ضرورت کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا، یہ سنت نہ ہوگا کیوں کہ صحابہ اس پر نہیں چلے۔

(۲) ۱۵/شعبان کو آں حضرت ﷺ قبرستان کسی مصلحت کی وجہ سے گئے ہیں لیکن صحابہ نہیں گئے، اس لیے یہ سنت نہ ہوگا۔

(۳) آں حضرت ﷺ نے قبر پر ٹہنی گاڑی ہے لیکن صحابہ نے نہیں گاڑی اس لیے سنت نہ ہوگا۔

(۴) آں حضرت ﷺ صحابہ کو لے کر شہداء احد کی قبر پر گئے ہیں جس سے بظاہر عرس کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن صحابہ نہیں گئے۔

(۵) صوم وصال آں حضرت ﷺ نے رکھا ہے لیکن صحابہ نے نہیں رکھا۔

(۶) بیک وقت چار سے زائد نکاح آں حضرت ﷺ نے کیے ہیں لیکن صحابہ نے نہیں کیے۔

اجماع صحابہ کی امثلہ:

(۱) بیس رکعات تراویح یہ اجماع صحابہ سے ثابت ہے اس لیے ہم اسے پڑھتے ہیں۔ (۲) جمعہ کی اذانِ اول

نوٹ: عبادات آں حضرت ﷺ سے جس حد تک جس طرح سے ثابت ہو اسی طرح سے کرنا سنت ہوگا اس سے آگے بڑھنا بدعت ہوگا۔ مثلاً انفرادی ہو تو انفرادی کرنا، غیر التزامی ہو تو غیر التزامی رکھنا، غیر متعین ہو تو غیر متعین رکھنا۔

امثلہ:

(۱) چاشت کی نماز حدیث سے ثابت ہے مگر گھر میں یا مسجد میں تنہا تنہا۔ اس کے برخلاف عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو کر یا مظاہرہ کر کے پڑھ رہے ہیں تو آپ نے بدعت کہا۔ (بخاری ص ۲۳۸ / نووی شرح مسلم ج ۱/ ص ۲۴۹)

(۲) فرض نماز کے بعد دعا حدیث سے ثابت ہے مگر انفرادی اور غیر التزامی۔ اس لیے اجتماعی اور التزامی بنانا بدعت ہوگا۔ (معارف السنن ج ۲ ص ۴۰۹)

(۳) چھینک پر الحمد للہ کہنا ثابت ہے اس سے زیادہ کہنا درست نہ ہوگا۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۸) میں ہے کہ ایک شخص نے چھینک آنے پر الحمد للہ و الصلاۃ و السلام علی رسول اللہ کہا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آپ کو درود پڑھنے سے نہیں روکتا لیکن آں حضرت ﷺ نے صرف الحمد للہ سکھایا ہے۔

(۴) ترمذی جلد اول حدیث ۱۹۸ میں ہے کہ ایک مؤذن نے اذان کے بعد نماز سے پہلے تثویب کی یعنی لوگوں سے کہا آؤ! نماز کی طرف تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اس بدعتی کے یہاں سے نکالو۔

(۵) ترمذی جلد اول حدیث ۷۴۳ میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے جمعہ کے دن کو متعین کر کے روزہ رکھنے کو منع فرمایا۔ کیوں کہ اس سے دینِ اسلام مشکل

ہو جائے گا اور وہ عمل سمٹ کر رہ جائے گا۔ اسی طرح قرآن خوانی اور ایصال ثواب کے لیے دن متعین کرنا بدعت ہوگا۔

نوٹ:

وہ چیزیں جس کا تعلق تعلیم و تبلیغ سے ہیں ان میں جائز وسائل اختیار کرنا بدعت نہ ہوگا۔ عبادات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ سے ہٹ کر کرنا بدعت ہوگا۔ مثلاً مدارس اس شکل میں دور نبوی میں نہیں تھے پھر بھی بدعت نہ ہوگا کیوں کہ اس کا تعلق تعلیم سے ہے۔

وجہ فرق:

تعلیم و تبلیغ کا مقصد اشاعت ہے اس لیے زمانہ کے تقاضوں کو سامنے رکھ اشاعت کے لیے جائز وسائل کی اجازت ہوگی برخلاف عبادات کے ان کا مقصد اصلاحِ نفس ہے اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار کردہ طریقہ سے ہٹنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۲) فرقۂ شیعہ کا تعارف:

شیعہ کے معنی جماعت اور پارٹی کے ہے یہ جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہیں بلکہ آپ کے نام پر عبداللہ بن سبا یہودی نے بنائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورۂ خلافت میں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر یہ شخص مدینہ منورہ آیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے فتنوں کو تاڑ لیا اور جلاوطن کر دیا وہ وہاں سے مصر پہنچا جہاں پہلے سے ایک جماعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ناراض تھی، اس نے موقع کا فائدہ اٹھا کر لوگوں کو ورغلایا کہ خلافت تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ داری کی بنیاد

پر بنو ہاشم میں ہونی چاہیے کچھ لوگ اس کے جھانسے میں آ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پر الگ ہو گئے۔ بعد میں شیعوں میں بھی بہت سے فرقے ہو گئے، جن میں مشہور (۱) اثنا عشریہ (۲) اسماعیلیہ (۳) جعفریہ (۴) زیدیہ وغیرہ ہیں۔

گمراہی کی بنیاد اور ہمارے لیے سبق:

اقربا پروری یعنی رشتہ داری کی بنیاد پر کسی کو منصب کا حقدار سمجھنا جبکہ منصب صلاحیت کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔

(۳) روافض کا تعارف:

روافض یہ رافضۃ کی جمع ہے اس کے معنی ہے چھوڑنے والی جماعت، یہ کٹر شیعہ ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کا حقدار سمجھتے ہیں، اس فرقے کی بنیاد اس طرح پڑی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ (جو حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے) نے لوگوں سے کہا کہ آؤ ہم سب مل کر ہشام بن عبد الملک کو کرسی سے اتار دیں لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کا ساتھ اس وقت دیں گے جب آپ ابو بکر و عمر کو گالیاں دیں، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا جس کی بنا پر وہ حضرت کو چھوڑ کر چلے گئے تب سے ان کو روافض کہا جانے لگا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے والوں کو زیدیہ کہا جانے لگا زیدیہ فرقہ پہلے درست عقائد پر تھا لیکن بعد میں شیعوں میں گھل مل گیا۔

سبق:

ہمیشہ حق بولنا چاہیے چاہے لوگ ہمیں چھوڑ کر چلے جائے جیسے حضرت زید نے حق گوئی سے کام لیا۔

(۴) خوارج کا تعارف:

یہ خارجۃ کی جمع ہے یعنی نکلنے والی جماعت ، یہ جماعت اہلِ حق سے اس وقت الگ ہوئی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والی جنگ ختم کرنے کے لیے یہ مشورہ ہوا کہ دونوں جماعتوں کی طرف سے کچھ بندے بیٹھ کر فیصلہ کریں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا نام طے پایا اس وقت ایک جماعت یہ کہہ کر اہلِ حق سے الگ ہوگئی کہ ہم تو صرف قرآن کو حَکَم مانتے ہے بندوں کو نہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیج کر سمجھانے کی کوشش کی لیکن نہیں سمجھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کر کے صفایا کر دیا۔

گمراہی کی بنیاد:

(۱) قرآن وسنت سمجھنے کے لیے اپنی سوچ پر بھروسہ کرنا بڑے بڑے صحابہ کی سوچ کو غلط سمجھا (۲) قرآن وسنت کے ایک حصے کو لینا اور دوسرے کو چھوڑ دیا ۔جیسے خوارج کو ان الحکم الا للہ یہ آیت نظر آئی لیکن فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا یہ آیت نظر نہیں آئی جس سے غیر قرآن کو فیصل بنانا ثابت ہوتا ہے اور جیسے اہلِ قرآن کو ونزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شیئ نظر آئی لیکن وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس یہ آیت نظر نہیں آئی جس سے حدیث کی حجیت ثابت ہوتی ہے، یاد رہے! اہلِ باطل قرآن وسنت کے ایک حصہ سے استدلال کرتے ہیں جب کہ اہلِ حق پورے قرآن وسنت کو پڑھ کر استدلال کرتے ہیں۔

ملحوظہ:

لوگ سمجھتے ہیں کہ خوارج ختم ہو گئے یہ غلط ہے آج بھی جو لوگ بڑے بڑے ائمہ کی سوچ پر بھروسہ نہیں کرتے وہ خوارج ہیں۔

(۵) معتزلہ کا تعارف:

اس فرقے کا بانی واصل بن عطا ہے یہ حسنِ بصری رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد تھا ،حضرت سبق پڑھا رہے تھے اس دوران کسی نے سوال کیا کہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت سوچ ہی رہے تھے کہ یہ واصل بن عطا بول پڑا کہ مرتکبِ کبیرہ نہ مومن ہے نہ کافر۔ حضرت بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اعتزل عنا یہ ہم اہلِ سنت سے الگ ہو گیا پھر معتزلہ کے بھی بہت سے فرقے ہوئے (۱) مرجیہ (۲) قدریہ (۳) جبریہ (۴) جہمیہ (۵) کرامیہ وغیرہ۔

گمراہی کی بنیاد:

(۱) شریعت کے مقابلے میں عقل کا استعمال کرنا (۲) چودہ سو سال کے جمہور کی رائے کاٹ کر اپنی رائے قائم کرنا۔ جیسے مودودیت۔

(۶) ملاحدہ کا تعارف:

قرآن کے منکرین یا قرآن میں تحریف کرنے والے کو ملحد کہا جاتا ہے۔

جیسے شیعوں میں ایک فرقہ ہے اسماعیلیہ ان کو باطنیہ بھی کہا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ قرآن کے ایک باطنی معنی ہے جسے صرف ان کا پیر جانتا ہے۔ مثلاً اقیموا الصلوۃ وہ کہتے ہیں کہ صلاۃ سے نماز پڑھنا مراد نہیں بلکہ مائل ہونا مراد ہے۔

جیسے پرویزی ایک فرقہ ہے پرویز کی طرف منسوب ہے اس نے ایک تفسیر لکھی ہے

جہاں جہاں علماء کا لفظ آیا ہے سائنس داں مراد لیے ہے۔ جنت سے سکون کا احساس اور جہنم سے سزا کا احساس مراد لیا ہے۔

جیسے سرسید نے یا جبال اوبی معه سے پہاڑوں کا پڑھنا نہیں بلکہ آوازِ بازگشت مراد لی ہے۔

جیسے مولانا سعد کاندھلوی نے لیتفقهوا فی الدین سے فقہاء نہیں بلکہ تبلیغی افراد مراد لیا ہے۔ مزید تفصیل الحاد کی بحث میں آئیں گی۔ (ان شاء اللہ)

(۷) اہلِ حق کی تین جماعتیں * اشاعرہ * ماتریدیہ * سلفیہ

(۱) اشاعرہ کا تعارف:

اس جماعت کے بانی شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ ہے ۲۶۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد کا انتقال ہوگیا والدہ نے مشہور معتزلی ابوعلی جبائی سے نکاح کرلیا، حضرت اسی معتزلی کی آغوش میں پروان چڑھے لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت باپ سے بھی بڑے معتزلی بنیں گے لیکن اللہ تعالی کو کچھ اور منظور تھا۔

اعتزال سے توبہ کا سبب:

ایک مرتبہ حضرت نے اپنے والد ابوعلی جبائی سے سوال کیا کہ ”آپ کا کیا خیال ہے ان تین بھائیوں کے بارے میں جن میں سے ایک فرماں بردار مرا، دوسرا نافرمان مرا اور تیسرا بچپن میں؟“ ابوعلی نے جواب دیا ”پہلا جنتی دوسرا جہنمی اور تیسرا نہ جنتی اور نہ جہنمی“۔ شیخ نے سوال کیا کہ ”اگر چھوٹا اللہ سے یہ کہہ دے کہ آپ نے مجھے بڑا کیوں نہیں ہونے دیا کہ میں جنت میں جاتا تو اللہ کیا کہے گا؟“ ابوعلی نے کہا ”کہ اللہ کہے گا کہ مجھے معلوم تھا کہ تو بڑا ہو کر نافرمانی کرے گا اس لیے تیری خیر اسی میں تھی

کہ تو بچپن میں مرتا۔'' شیخ نے کہا کہ ''اگر جہنمی یہ کہہ دے کہ اللہ تو نے مجھے بچپن میں کیوں نہیں مارا کہ میں جہنم میں نہ جاتا اس پر اللہ کیا کہے گا؟'' ابو علی ہکا بکا رہ گیا۔ اسی وقت سے شیخ نے اعتزال کو چھوڑ کر مسلک حق کو فروغ دینے کے لیے جان لڑا دی، شیخ فقہ میں شافعی تھے اس لیے عقائد میں اکثر شوافع اشعری ہوتے ہیں۔

ہمارے لیے سبق:

کسی کے بارے میں جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے جب تک اللہ اور اس کا رسول خبر نہ دیں۔

(۲) ماتریدیہ کا تعارف:

اس جماعت کے بانی شیخ ابو منصور ماتریدی ہیں یہ ماوراء النھر کے ایک شہر ماترید ۳۳۲ھ میں پیدا ہوئے، آپ نے کتاب التوحید، کتاب المقالات، کتاب اوھام المعتزلہ لکھ کر ایسے مسائل جو معتزلہ کی ضد میں علم کلام کا جز بن گئے تھے خارج کر دیا۔ فقہ میں حنفی تھے اس لیے اکثر احناف عقائد میں ماتریدی ہوتے ہیں۔

(۳) سلفیہ:

اس جماعت کے بانی حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں اسی لیے اکثر حنابلہ فقہ کی طرح عقائد میں بھی آپ کی اتباع کرتے ہیں۔ حرمین میں جو لوگ ہیں وہ فقہ میں حنبلی اور عقائد میں سلفی ہیں۔

نوٹ: آج کے اہلِ حدیث بھی اپنے آپ کو سلفی یعنی حضرت امام احمد کی اتباع کرنے والا بتاتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ جھوٹ ہے۔ وہ کسی کی پیروی نہیں کرتے اس لیے ہم ان کو سلفی بلجزم کہتے ہیں یعنی بزرگوں کو بدنام کرنے والا۔

(۸) متکلمین کا تعارف:

مبدأ اور معاد کی معرفت کے لیے دین سماوی سے وابستہ ہو کر غور وفکر کا طریقہ اختیار کریں۔

(۹) مشائین (سائنس دان) کا تعارف:

مبدأ اور معاد کی معرفت کے لیے دین سماوی سے وابستہ نہ ہو کر غور وفکر کا طریقہ اختیار کریں۔

(۱۰) صوفیہ کا تعارف:

مبدأ اور معاد کی معرفت کے لیے دین سماوی سے وابستہ ہو کر ریاضت اور مجاہدے کا طریقہ اختیار کریں۔

(۱۱) اشراقیین کا تعارف:

مبدأ اور معاد کی معرفت کے لیے دین سماوی سے وابستہ نہ ہو کر ریاضت اور مجاہدے کا طریقہ اختیار کریں یعنی سادھو سنت۔

(۱۲) سوفسطائیہ کا تعارف:

ہر وہ شخص جو بات میں غلطی کرے۔

(۱۳) سمنیہ کا تعارف:

بدھ مذہب کو یا بدھ مذہب کے پیر کو یا بدھ مذہب کے بت کو سمنی کہا جاتا ہے۔

(۱۴) براہمہ کا تعارف:

براہمن سردار کی طرف منسوب قوم کو یا بت کے نام کی وجہ سے ان کو براہمہ کہا جاتا ہے۔

مقدمۂ کتاب

سوال: کیا چیزوں کی حقیقت ہے؟

جواب: جی ہاں! البتہ سوفسطائی اس کا انکار کرتے ہیں۔

سوال: چیزوں کی حقیقت کتنی چیزوں سے حاصل ہوگی؟

جواب: تین چیزوں سے (۱) حواس سے (۲) خبر سے پس خبر یا تو متواتر ہوگی یعنی اتنے لوگوں کی زبان پر وہ بات ہو کہ جھوٹ پر متفق ہونا متصور نہ ہو، یہ خبر یقین کا فائدہ دے گی اور اس کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ یا خبرِ رسول ہوگی یہ یقین کا فائدہ دے گی لیکن اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہوگی۔ (۳) عقل سے۔

سمنیہ اور ملاحدہ: کا کہنا ہے کہ عقل سے چیزوں کی حقیقت حاصل نہیں ہوسکتی۔

دلیل: بڑے بڑے عقلمندوں کی رائے میں اختلاف ہوتا ہے پس اگر عقل سے حقیقت حاصل ہوتی تو اختلاف نہ ہوتا۔

جواب: یہ اختلاف نظر کے فساد کی وجہ سے ہے نہ کہ عقل کے فساد کی وجہ سے۔

فنی اصطلاحات

(۱) عالم: اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام موجودات کو عالم کہتے ہیں اس لیے کہ عالم اسم آلہ ہے جس کا مطلب ہے وہ آلہ جس سے اللہ تعالیٰ کو پہچانا جاسکے۔

(۲) قدیم: وہ ذات جو ہمیشہ سے ہو جس کے وجود کی ابتدا نہ ہو۔

(۳) حادث: وہ ذات جو ہمیشہ سے نہ ہو جس کے وجود کی ابتدا ہو۔

(۴) قدیم بالذات: جو ذات کے اعتبار سے قدیم ہو یعنی جس کا وجود ذاتی ہو۔

(۵) قدیم بالزمان: جو زمانے کے اعتبار سے قدیم ہو یعنی ہمیشہ سے ہو۔

(۶) **حادث بالذات:** جو ذات کے اعتبار سے حادث ہو یعنی جس کا وجود غیر سے حاصل ہو۔

(۷) **حادث بالزمان:** جو زمانے کے اعتبار سے حادث ہو یعنی ہمیشہ سے نہ ہو بعد میں وجود میں آیا ہو۔

(۸) **واجب الوجود:** وہ ہے جس کا وجود ضروری ہو جیسے اللہ تعالیٰ۔

(۹) **ممکن الوجود:** وہ ہے جس کا وجود نہ ضروری ہو نہ ممتنع ہو جیسے مخلوقات۔

(۱۰) **ممتنع الوجود:** وہ ہے جس کا وجود محال ہو جیسے باری تعالی کا شریک۔

(۱۱) **عین:** وہ ہے جس کا تحیز مستقل ہو یعنی اپنے قیام میں کسی کا محتاج نہ ہو پھر عین یا تو مرکب ہوگا جیسے جسم یا غیر مرکب ہوگا جیسے جو ہر فرد۔

(۱۲) **عرض:** وہ ہے جو اپنے قیام میں کسی کا محتاج ہو جیسے رنگ وغیرہ۔

(۱۳) **تحیز:** کسی چیز کا مکان میں ہونا کہ اس کی طرف اشارہ کر سکے۔

(۱۴) **جزء لایتجزی:** وہ جو ہر فرد ہے جو انتہائی چھوٹا ہونے کی وجہ سے قابلِ تقسیم نہ ہو جیسے ایٹم۔

(۱۵) **صفتِ ذاتی:** وہ صفت ہے جس کے بغیر اس ذات کا وجود نہ ہو جیسے انسان کے لیے حیوان اور ناطق۔

(۱۶) **صفتِ فعلی یا عرضی:** وہ صفت ہے جس کے بغیر اس ذات کا وجود ہو البتہ اس صفت سے ذات میں حسن پیدا ہو جیسے انسان کے لیے حافظ، عالم، قاری، مفتی ہونا۔

(۱۷) **واحدِ شخصی:** وہ واحد ہے جو کسی کلی کا جز ہو جیسے زید انسان کا جز ہے۔

(۱۸) **واحدِ نوعی:** وہ کلی ہے جس کے تحت بہت سارے افراد ہو اور سب کی حقیقت ایک ہو جیسے انسان۔

(۱۹) **واحدِ جنسی:** وہ کلی ہے جس کے تحت بہت سارے افراد ہو اور ہر ایک کی حقیقت مختلف ہو جیسے حیوان۔

(۲۰) **فصلِ مقوم:** وہ ہے جو کسی چیز کو ہم جنسوں سے الگ کر کے وجود میں لے آئے جیسے ناطق انسان کو حیوان کے تمام افراد سے الگ کر کے وجود میں لایا۔

(۲۱) **فاعلِ موجب:** وہ چیز جس سے کوئی فعل خود بہ خود بلا اختیار صادر ہو، جیسے آگ سے جلانے کا فعل اسے علت موجبہ بھی کہتے ہیں۔

(۲۲) **لزومِ عادی:** وہ چیزیں جو اکثر ساتھ میں پائی جائے کبھی الگ ہو جائے جیسے آگ اور جلانا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا۔

(۲۳) **لزومِ قطعی:** وہ چیزیں جو ہمیشہ ساتھ میں پائی جائے کبھی جدا نہ ہو جیسے دو اور جفت۔

(۲۴) **حجتِ اقناعی:** وہ دلیل ہے جس سے عام طور پر لوگوں کو اطمینان حاصل ہو اسے حجتِ خطابی بھی کہا جاتا ہیں کیوں کہ واعظین اس طرز کو اپناتے ہیں۔ یاد رہے اس سے کامل یقین حاصل نہیں ہوتا۔

(۲۵) **سلبِ عموم:** ایک مجموعے کی نفی ہو نہ کہ ہر ہر فرد کی جیسے لا تدرکہ الابصار کافروں کی آنکھیں مراد ہے۔

(۲۶) **عمومِ سلب:** ہر ہر فرد کی نفی ہو۔

(۲۷) **ضروری:** وہ چیز ہے جو بغیر غور وفکر کے حاصل ہو۔

(۲۸) اکتسابی: وہ چیز ہے جو غور وفکر کے بعد حاصل ہو۔

(۲۹) بعد: (۱) وہ لمبائی، چوڑائی اور گہرائی جو جسم کے ساتھ قائم ہو (۲) وہ مکان جس میں کوئی چیز بھری جائے۔

(۳۰) ہیولیٰ: وہ مادہ جو مختلف صورت اختیار کر سکے۔



آغازِ کتاب

بحثِ ذاتِ باری تعالیٰ

دعویٰ (۱): اللہ تعالیٰ نے ہی عالم کو وجود بخشا ہے اور یہ نظام چلا رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خالق ہے مخلوق نہیں ہے۔

دلیل (۱): اگر اللہ تعالیٰ کو ممکن الوجود یعنی مخلوق میں سے مانیں گے تو وہ بھی عالَم میں سے ہوگا پس وہ کیسے عالَم کو پیدا کرنے والا ہوگا؟

(۲) اگر اللہ تعالیٰ کو عالم میں سے مانیں گے تو اللہ خود اپنی ذات کے لیے علامت بن جائے گا وہ اس لیے کہ عالم کہتے ہیں اس کو جو اللہ کی ذات کے لیے علامت ہو پس اللہ علامت اور ذو علامت ہو جائے گا۔

(۳) اگر اللہ تعالیٰ ہی خالق نہ ہوگا تو سلسلہ لازم آئے گا وہ اس طرح کے تمام مخلوقات کا خالق یا تو خود مخلوقات کا مجموعہ ہو اور یہ غلط ہے کیوں کہ کوئی اپنی ذات کا خالق نہیں ہوتا اب یا تو مخلوقات کے بعض کو بعض کا خالق مانے تو خرابی یہ لازم آئے گی کہ وہ کسی اور خالق کا محتاج ہوگا پھر کسی کو خالق مانے تو وہ کسی اور خالق کا محتاج ہوگا اس طرح

سلسلہ جاری رہے گا پس اس کو ختم کرنے کے لئے اللہ ہی کو خالق مان لیں۔ جیسے آج کے اینکر کہتے ہے کہ اللہ کا خالق کرشنا بھگوان ہے ہم ان سے کہیں گے کہ کرشنا کا خالق کون ہے؟ اس طرح سلسلہ جاری رہے گا اس لئے ہم اللہ ہی پر روک لیتے ہیں۔

دہریہ کا دعویٰ: عالم کا کوئی خالق اور مدبر نہیں ہے یہ عالم اور اس کا نظام خود بہ خود چل رہا ہے۔

رد: پھر تو آپ کے گمان کے مطابق مجرم کو سزا نہیں دینی چاہیے اس لئے کہ وہ جرم کرنے کے بعد کہے گا کہ خود بہ خود ہو گیا اس طرح تو پورا عالم جرم سے بھر جائے گا۔

دعویٰ (۲) عالم کو پیدا کرنے والا اور چلانے والا ایک ہے۔

دلیل: اگر ایک نہ ہوگا تو ٹکراؤ لازم آئے گا اسی کو برھانِ تمانع کہا جاتا ہے وہ اس طرح کہ دو یا چند میں سے ایک رات چاہے گا دوسرا دن پس اس وقت دو شکلیں ہوگی یا تو دونوں چیزیں بیک وقت حاصل ہو اور یہ نہیں ہوسکتا کیوں کہ ضدین کا اجتماع محال ہے یا تو ایک کی بات مانیں پس دوسرے کا عاجز آنا لازم آئے گا اور عاجز اِلہ نہیں ہو سکتا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں سمجھا رہا ہے لو كان فيهما الهة الا الله لفسدتا کہ اگر کائنات میں اللہ کے سوا چند معبود ہوتے تو کائنات کا نظام درھم برھم ہوجاتا لیکن چوں کہ کائنات کا نظام ٹھیک چل رہا ہے پس اِلہ بھی ایک ہے۔

مشرکین کا دعویٰ: عالم کا خالق تو ایک ہے لیکن نظام چلانے والے متعدد ہیں۔

دلیل: ایک چھوٹا سا ملک چلانے کے لئے متعدد لوگوں کا ہونا ضروری ہے تو کائنات کا نظام چلانے کے لئے بہ طریق اولی ضروری ہے۔

رد: قادر مطلق اللہ کو عاجز بندوں پر قیاس کرنا ہی بڑی جہالت ہے۔

یاد رہے! جو کوئی بھی اللہ کو بندوں پر یا بندوں کو اللہ پر قیاس کرے تو وہ بہت بڑا گمراہ ہے۔

دعویٰ (۳) عالم کو پیدا کرنے والا (اللہ تعالیٰ) قدیم (ہمیشہ سے) ہے۔

دلیل: اگر اللہ تعالیٰ قدیم نہ ہوگا تو حادث ہوگا اور حادث پہلے سے معدوم ہوتا ہے، اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہوتا ہے، پس اللہ بھی اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہوگا پس اللہ تعالیٰ لامحالہ قدیم ہے۔

سوال: واجب الوجود اور قدیم دونوں ایک ہے یا الگ الگ؟

جواب: مفہوم کے اعتبار سے تو الگ ہے البتہ صادق آنے کے اعتبار سے اختلاف ہے۔

متقدمین: کا کہنا ہے کہ قدیم کا لفظ عام ہے اللہ کی ذات اور صفات دونوں پر بولا جاتا ہے جب کہ واجب کا لفظ صرف اللہ کی ذات پر بولا جاتا ہے۔

متأخرین: کا کہنا ہے کہ جس طرح قدیم عام ہے اسی طرح واجب بھی یعنی واجب کا لفظ اللہ کی ذات اور صفات دونوں پر بولا جاتا ہے۔



یعنی اللہ تعالیٰ کا تعارف منفی انداز میں

دعوی (۱) اللہ تعالیٰ عرض نہیں ہے۔

دلیل: عرض بذاتِ خود قائم نہیں ہوتا بلکہ اپنے قیام میں کسی محل کا محتاج ہوتا ہے پس اگر اللہ کو عرض مانیں گے تو اللہ اپنے قیام میں کسی محل کا محتاج ہوگا اور یہ اللہ کی شان کے خلاف ہے پس اللہ عرض نہیں ہے۔

دعویٰ (۲) اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے۔

دلیل: جسم مرکب اور متحیز ہوتا ہے پس اللہ بھی مرکب اور متحیز ہوگا اور یہ حدوث کی علامت ہے۔

دعویٰ (۳) اللہ تعالیٰ جوہر نہیں ہے۔

دلیل: جوہر یہ جسم کا جز ہوتا ہے اور متحیز ہوتا ہے جب کہ اللہ ان چیزوں سے پاک ہے۔

سوال: فلاسفہ کے نزدیک جوہر اس موجود کو کہتے ہیں جو کسی محل میں نہ ہو خواہ متحیز ہو یا نہ ہو پس ان کی تعریف کے مطابق اللہ جوہر ہو سکتا ہے؟

جواب: فلاسفہ جوہر کو ممکن کے اقسام میں سے مانتے ہیں پس اگر فلاسفہ کی اصطلاح لیں تو اللہ بھی ممکن میں سے ہو جائے گا۔

سوال: کچھ لوگوں نے جسم کی تعریف کی ہے وہ جو بہ ذات خود قائم ہو اور جوہر کی تعریف کی ہے ایسا موجود جو کسی محل میں نہ ہو، پس ان کی تعریف کے اعتبار سے اللہ کو جسم اور جوہر کہنا چاہیے؟

جواب: نہیں کہہ سکتے ہیں کیوں کہ تین خرابیاں لازم آرہی ہیں (۱) قرآن وحدیث میں کہیں بھی یہ نام اللہ کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ (۲) جب بھی جسم اور جوہر بولیں گے تو ذہن مرکب اور متحیز کی طرف جائے گا (۳) فرقۂ مجسمہ اور نصاری کی تائید ہوگی جو اللہ کے لیے جسم مانتے ہیں۔

اللہ کے لیے کن ناموں کا استعمال درست ہے؟

(۱) جو نام قرآن وحدیث میں ہو۔

(۲) جو نام اجماع سے ثابت ہو۔

(۳) جو قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت شدہ نام کے ہم معنی ہو لیکن اس کے لیے دو شرطیں ہیں (۱) کسی قوم کا شعار نہ ہو جیسے اوم صمد کے معنی میں ہے مگر ہندوؤں کا شعار ہے (۲) اللہ کی شان کے خلاف نہ ہو جیسے خالق الخنزیر نہیں کہہ سکتے اس کے بر خلاف خدا کہہ سکتے ہیں کیوں کہ یہ واجب الوجود کے ہم معنی ہے یعنی خود آنے والا۔

دعویٰ (۴) اللہ تعالیٰ نہ مصوَّر ہے نہ محدود، نہ معدود ہے نہ متجزی یعنی جز والا، نہ مرکب ہے نہ متناہی، نہ ماہیت اور کیفیت سے متصف ہے۔

دلیل: یہ تمام چیزیں جسم کے خواص میں سے ہے اور اللہ جسم سے پاک ہے۔

دعویٰ (۵) اللہ تعالیٰ کسی مکان میں نہیں ہے۔

دلیل: تمکن کہتے ہیں کسی ممتد چیز کا خالی جگہ کو بھر دینا پس اگر اللہ تعالیٰ متمکن ہوگا تو ممتد (لمبا، چوڑا اور گہرا) ہوگا اور جو بھی ممتد ہوگا وہ ٹکڑا ہونے کو قبول کرے گا جب کہ اللہ اس سے پاک ہے۔

دعویٰ (٦) اللہ تعالی متحیز نہیں ہے۔

دلیل: اگر اللہ تعالی کو متحیز مانے گے تو یا تو وہ ہمیشہ سے متحیز ہوگا پس اس حیز (جگہ) کا قدیم ہونا لازم آئے گا۔ نیز اللہ یا تو اس جگہ کے برابر ہوگا یا چھوٹا ہوگا پس اللہ متناہی ہو جائے گا اور اگر بڑا ہوگا تو کاٹنا لازم آئے گا۔

دعویٰ (۷) اللہ تعالیٰ کسی جہت میں نہیں ہے یعنی، نیچے، اوپر، آگے، پیچھے۔

دلیل: متکلمین کے نزدیک جہت جگہ ہی کا نام ہے جب اللہ جگہ یعنی مکان سے پاک ہے تو جہت سے بھی پاک ہوگا۔

دعویٰ (۸) اللہ تعالیٰ زمانی نہیں ہے۔

دلیل: زمانہ متغیر ہوتا ہے جب کہ اللہ تغیر سے پاک ہے۔

اہلِ حدیث کا دعوی:

اللہ تعالیٰ باعتبار ذات کے آسمان میں ہے۔

دلیل: (۱) قرآن مجید میں ہے أأمنتم من فی السماء یعنی کیا تم بے خوف ہو گئے اس ذات سے جو آسمان میں ہے (۲) حدیث پاک میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک باندی سے پوچھا أین اللہ ؟ باندی نے کہا فی السماء۔

جواب: اگر اللہ آسمان میں ہے تو بتاؤ اللہ بڑا یا آسمان ؟ اگر اللہ بڑا تو آسمان میں رہنے کے لیے اسے چھوٹا ہونا پڑے گا اور اگر آسمان بڑا اور اللہ چھوٹا تو اللہ متناہی ہو جائے گا اس سے بری بات کیا ہوگی۔

یاد رکھو! قرآن و حدیث میں فی السماء کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ جب بھی کسی بڑی چیز کا انسان تصور کرتا ہے تو اس کا ذہن بلندی کی طرف اٹھتا ہے۔

اہلِ سنت والجماعت کی ایک جماعت کا دعوی:

اللہ تعالیٰ باعتبار ذات کے کہاں ہیں اس میں ہم توقف کرتے ہیں البتہ اللہ تعالیٰ باعتبار صفات کے ہر جگہ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے، سنتا ہے، وغیرہ۔

بحث صفاتِ متشابہات

مجسمہ کا دعویٰ: اللہ تعالیٰ کے لیے ہماری طرح جسم ہے اور اللہ کے لیے جہت ہے۔

دلیل نقلی: قرآن مجید میں ہے ید اللہ فوق ایدیھم۔ ویبقیٰ وجہ ربک وغیرہ پس اللہ

کے لیے جسم ہے اور جو مجسم ہوگا وہ جہت میں ہوگا۔

دلیل عقلی: جتنے بھی موجودات ہے وہ یا تو متصل ہوگے یا منفصل اور منفصل جہت میں ہوتا ہے، اللہ اور عالم دونوں منفصل ہیں جب منفصل ہیں تو اللہ کسی جہت میں ہوا، متحیز ہوا مجسم ہوا۔

جواب دلیل نقلی کا:

قرآن وحدیث میں اللہ کے لیے ید اور وجہ جیسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ان سے ہماری طرح ہاتھ اور چہرہ مراد نہیں لیس کمثلہ شیئ کی وجہ سے یعنی اللہ کے لیے ید ہے لیکن ہماری طرح نہیں ہے باطل ہمیشہ قرآن کے ایک حصے کو لیتا ہے دوسرے حصے کو چھوڑ دیتا ہے۔

دلیل عقلی کا جواب:

غائب (اللہ تعالیٰ) کو شاہد (عالم) پر قیاس کرنا بڑی جہالت ہے۔

اہلِ سنت والجماعت کا دعویٰ:

صفات متشابہات یعنی وہ صفات جو بندوں کے مشابہ ہیں اہلِ سنت کے متقدمین تفویض سے کام لیتے ہیں یعنی ان صفات کا ترجمہ کر کے مراد اللہ کے حوالے کرتے ہیں جب کہ متاولین ان صفات کی تاویل کرتے ہے تا کہ فلسفی ذہن رکھنے والے مطمئن ہوجائیں جیسے ید کی تاویل نصرت سے اور استوی علی العرش کی تاویل نظام سنبھالنے سے کرتے ہیں۔

دعویٰ (۹) اللہ تعالی کے مشابہ کوئی چیز نہیں ہے نہ ذات میں نہ صفات میں۔

دلیل: باری تعالیٰ فرماتا ہے لیس کمثلہ شیئ ذات میں مشابہ نہیں ہے یہ تو ظاہر ہے

اور صفات میں اس لیے کہ اللہ کی صفات میں تین چیزیں ہیں (۱) ذاتی ہونا (۲) قدیم ہونا (۳) کلی ہونا۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں کسی کا وصف قدیم، ذاتی اور کلی نہیں ہو سکتا۔

نوٹ: ایک وصف میں مکمل طور پر شرکت سے ہی مماثلت اور مشابہت ہوگی اس لیے بریلوی حضرات اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علم غیب ذاتی، کلی اور قدیم مانتے ہیں تو مشرک ہیں اور اگر عطائی اور ناقص یعنی تشریعات کا علم مانتے ہیں تو مشرک نہیں ہیں۔

بحث صفاتِ ایجابیہ

صفات کی دو قسمیں ہیں (۱) صفت ذاتی: وہ صفت جس کے بغیر اس ذات کا وجود نہ ہو جیسے انسان کے لیے حیوان ناطق (۲) صفت عرضی: وہ صفت ہے جس کے بغیر اس ذات کا وجود ہو۔

اشاعرہ کے نزدیک صفاتِ ذاتیہ کل سات ہیں۔

(۱) حیات (۲) قدرت (۳) علم (۴) سمع (۵) بصر (۶) ارادہ (۷) کلام

ماتریدیہ کے نزدیک صفات ذاتیہ کل آٹھ ہیں وہ صفت تکوین کا اضافہ کرتے ہیں۔

خلاصہ: اشاعرہ کے نزدیک قدرت صفت مؤثرہ ہے یعنی اس کے ذریعہ چیزیں وجود میں آتی ہیں پھر صفت ارادہ کے ذریعہ ایک پہلو کو ترجیح دیتا ہے۔ جب کہ ماتریدیہ کے نزدیک صفت تکوین صفت مؤثرہ ہے یعنی اس سے چیزیں بالفعل وجود میں آتی ہیں صفت قدرت سے بالقوہ وجود میں آسکتی ہیں۔

صفات کے باب میں اصلاً تین جماعتیں ہیں

* اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ * کرامیہ

(۱) اہل سنت والجماعت: ان کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفات ہیں ماخذِ اشتقاق کے ساتھ ہیں اور ازلی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ عالم ہے اس لیے کہ صفتِ علم اللہ میں ہے۔

دلیل: اہلِ عرف اور لغت جانتے ہیں کہ جب بھی کسی کی طرف کسی چیز کی نسبت کی جائے تو وہ چیز اس میں موجود ہوتی ہے اور اس کی ذات سے زائد ہوتی ہے۔

(۲) معتزلہ: کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفات ہیں مگر ماخذ اشتقاق کے بغیر مثلاً اللہ عالم ہے مگر صفت علم اس میں نہیں ہے بلکہ معلومات سے تعلق کی وجہ سے عالم ہوا۔اسی طرح کلیم ہے مگر صفت کلام اس میں نہیں ہے بلکہ بندوں میں کلام پیدا کرنے کی وجہ سے کلیم ہے۔

دلیل: اگر اللہ تعالیٰ میں صفت مانیں گے تو متعدد اِلٰہ ہونا لازم آئے گا۔

جواب: صفات کے تعدد سے ذات متعدد نہیں ہوتی جیسے ایک شخص کے قاری، عالم، مفتی، ہونے سے متعدد نہیں ہوتا۔

الزامی جواب: اگر تعلق اور پیدا کرنے کی وجہ سے اللہ عالم اور متکلم بن جاتا ہے تو سیاہ دیوار سے ٹیک لگانے والا کلو ہونا چاہیے کیوں کہ سیاہی سے تعلق ہوا اسی طرح دیوار میں سیاہ کلر لگانے والا کلو ہونا چاہیے کیوں کہ اس نے کلر پیدا کیا۔

سوال: معتزلہ کی طرف سے: آپ اہلِ سنت نصاریٰ کو کافر کہتے ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے تین قدماء ثابت کئے پس آپ اہلِ سنت ان سے بڑے کافر ہونے چاہیے

کیوں کہ آپ نے ان گنت صفات مانی ؟

جواب: نصاریٰ نے تو تینوں کا مستقل وجود مانا ہے ان کا کہنا ہے کہ اللہ کی صفت کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گئی اور مستقل وجود اختیار کر گئی جب کہ ہم نے صفات کا مستقل وجود نہیں مانا۔

نوٹ: ہمارا اور معتزلہ کا اختلاف صفات طاری میں نہیں ہے مثلاً غصہ آنا وغیرہ کیوں کہ یہ تو زائل ہونے والی ہیں بلکہ اختلاف صفات غیر طاری میں ہے۔

(۳) کرامیہ: کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفات ماخذ اشتقاق کے ساتھ ہیں مگر حادث ہیں۔

دلیل: اللہ تعالیٰ مثلاً مسموع کے وجود میں آنے کے بعد سمیع بنا پس صفات حادث ہوئی۔

جواب: اللہ تعالیٰ پہلے سے سمیع تھا تعلق بعد میں وجود میں آیا پس تعلق حادث ہے نہ کہ صفات۔

بحث صفتِ علم

علم کی تعریف: علم ایسی صفت ذاتی ہے جس سے ایسی چیز منکشف ہو جس کو جانا جا سکے صفت علم کے اس چیز سے تعلق کے وقت۔

کل تین جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * فلاسفہ * دہریہ

(۱) اہلِ سنت و الجماعت کا دعوی: اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے یعنی اللہ تعالیٰ کلی، جزئی، ظاہر اور باطن ہر ایک کو جانتا ہے۔

دلیل: ان اللہ قد احاط بکل شیئ علما۔

(۲) فلاسفہ کا دعویٰ: اللہ تعالیٰ جزئیات کو نہیں جانتا صرف کلیات کو جانتا ہے۔

دلیل: جزئیات متغیر ہوتی ہیں پس اگر اللہ جزئیات کو جانے گا تو اللہ کا علم متغیر ہوگا۔

جواب: یہ تغیر علم میں نہیں بلکہ تعلقات میں ہے جیسے آئینہ کے سامنے لوگ بدلتے رہیں تو یہ تبدیلی آئینہ میں نہیں بلکہ تعلقات میں ہے۔

(۳) دہریہ کا دعویٰ: اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو نہیں جانتا۔

دلیل: جاننے کے لیے عالم اور معلوم کا الگ ہونا ضروری ہے یہاں الگ نہیں ہے۔

جواب: تغایر کی دو قسمیں ہیں (۱) اعتباری (۲) حقیقی' یہاں تغایر اعتباری ہے اور وہ کافی ہے جیسے انسان کا اپنے آپ کو دیکھنا۔

بحث صفتِ قدرت

قدرت کی تعریف: قدرت ایسی صفتِ ذاتی ہے جس سے اللہ تمام چیزیں وجود میں لائے مثلاً دن، رات۔

کل پانچ جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * فلاسفہ * نظّام * بلخی * معتزلہ

(۱) اہل سنت و الجماعت کا دعویٰ: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اچھی، بری، کلی، جزئی وغیرہ۔

دلیل: ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔

(۲) فلاسفہ کا دعویٰ: اللہ تعالیٰ صرف ایک یعنی عقل کے پیدا کرنے پر قادر ہے باقی تمام چیزیں عقل سے وجود میں آتی ہے۔

دلیل: ضابطہ ہے کہ ایک سے ایک ہی صادر ہوتا ہے اس لیے اللہ سے ایک عقل صادر ہوئی۔

جواب: یہ ضابطہ اپنے پاس رکھو۔ ایک انسان سے کئی چیزیں صادر ہوسکتی ہیں تو اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں۔

جواب تسلیمی: چوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان گنت صفات ہیں اس لیے ہر صفت سے ایک صادر ہورہا ہے۔

(۳) نظّام کا دعویٰ: اللہ تعالیٰ بری چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔

دلیل: بری چیز پیدا کرنے سے اللہ تعالیٰ کا برا ہونا لازم آئے گا۔

جواب: کوئی بھی چیز پیدائشی بری نہیں ہوتی بلکہ خارجی اسباب سے بری ہوتی ہے۔

(۴) بلخی کا دعویٰ: بندہ جس چیز پر قادر ہے اللہ اس کے مثل پر قادر نہیں۔

دلیل: اللہ مثل پر قادر ہوگا تو بندہ اور اللہ کے عمل میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔

جواب: زمین، آسمان کا فرق رہے گا اللہ کا فعل خلق ہے اور بندہ کا فعل کسب ہے۔

(۵) معتزلہ کا دعویٰ: بندہ جس پر قادر ہے اللہ اس پر قادر نہیں ہے۔

دلیل: اگر اللہ کو اس پر قادر مانیں گے تو ایک چیز دو قدرتوں کے تحت ہوجائے گی اور یہ محال ہے۔

جواب: ایک چیز دو قدرتوں کے تحت ہوسکتی ہے اگر حیثیت بدل جائے، پس اللہ قادر ہے اس پر خالق ہونے کی حیثیت سے اور بندہ کاسب کی حیثیت سے۔

بحث صفتِ سمع و بصر

سمع کی تعریف: ایسی صفتِ ذاتی ہے جس سے کسی چیز کو سنا جاسکے۔

بصر کی تعریف: ایسی صفتِ ذاتی ہے جس سے کسی چیز کو دیکھا جاسکے۔

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا دعویٰ: اللہ تعالیٰ کا سننا اور دیکھنا مکمل طور پر ہوتا ہے نہ کہ خیالی اور وہمی۔

(۲) فلاسفہ کا دعویٰ: اللہ تعالیٰ کے لیے صفت سمع اور بصر نہیں ہے۔

دلیل: اگر یہ صفات مانیں گے تو حاسہ۔ ہوا کا کانوں کے سوراخ تک پہنچنا وغیرہ کا محتاج ہوگا۔

جواب: غیر مرئی (اللہ) کو مرئی (مخلوقات) پر قیاس کرنا ہی تو گمراہی ہے۔

ملحوظہ: مسموعات اور مبصرات کے بعد میں وجود میں آنے سے صفت سمع و بصر حادث نہیں ہوتی کیوں کہ مسموعات اور مبصرات یہ تعلقات ہیں اور تعلقات حادث ہیں۔

بحث صفتِ ارادہ

ارادہ کی تعریف: وہ صفت ذاتی ہے جس کے ذریعہ دو برابر پہلو میں سے ایک کو ترجیح دی جائے مثلاً اللہ تعالیٰ دن اور رات پر قادر ہے پھر رات لے آئے تو یہ ارادہ ہے۔

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا دعویٰ: صفت ارادہ اور مشیت دونوں مترادف ہیں، قدیم ہیں نیز ارادہ کا مطلب حکم کرنا اور پسند کرنا نہیں ہے بلکہ ایک پہلو کو راجح کرنا ہے جیسے ایک بندہ اپنی صلاحیت لگا دے تو اللہ تعالیٰ ایمان اور کفر میں سے اس کے اندر پیدا کرتا ہے۔

(۲) معتزلہ کا دعویٰ: ارادہ کا مطلب حکم کرنا اور پسند کرنا ہے اسی لیے اللہ نے صرف ایمان کا ارادہ کیا ہے نہ کہ کفر کا۔

دلیل: کفر پسندیدہ نہیں ہے پس اللہ اس کا ارادہ کیسے کر سکتا ہے؟

جواب: ارادہ کا مطلب حکم نہیں ہے اگر حکم کرنا مانیں گے تو چوں کہ اللہ نے ہر مکلف کو ایمان کا حکم دیا ہے پس اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ نے ہر ایک کے ایمان کا ارادہ کیا ہے، اور یہ غلط ہے کیوں کہ اللہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے وہ ضرور ہوتا ہے حالاں کہ بہت سے لوگ کافر ہیں اس سے تو اللہ کا عاجز ہونا لازم آئے گا۔

(۳) کرامیہ کا دعویٰ: اللہ تعالیٰ کی صفتِ مشیت تو قدیم ہے لیکن ارادہ حادث ہے۔

جواب: مشیت اور ارادہ دونوں ایک ہے جب مشیت قدیم ہے تو ارادہ بھی قدیم ہے۔

(۴) فلاسفہ کا دعویٰ: اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ ارادہ نہیں ہے یعنی اللہ فاعل بالارادہ نہیں ہے بلکہ موجب بالذات ہے یعنی سارے کام ارادہ اور اختیار کے بغیر خود بہ خود ہورہے ہیں جیسے آگ سے جلانے کا کام خود بہ خود ہورہا ہے۔

جواب: اگر اللہ موجب بالذات ہوگا تو عالم بھی قدیم ہوجائے گا اس لیے کہ موجب بالذات ماننے کی صورت میں اللہ تعالیٰ علت ہوگا اور مخلوقات معلول اور علت معلول میں تخلف نہیں ہوتا پس عالم بھی قدیم ہوگا۔

بحث صفتِ کلام

کلام کی تعریف: کلام ایسی صفتِ ذاتی ہے جو سکوت اور آفت کے منافی ہو۔

کلام کی دو قسمیں ہیں * کلامِ نفسی * کلامِ لفظی

کلامِ نفسی وہ کلام جو جی میں ہو۔

کلامِ لفظی وہ کلام جو کلام نفسی پر دلالت کرے، بولنے کے ذریعے یا لکھنے کے ذریعے

یا اشارے کے ذریعے۔

کلام کے باب میں چار جماعتیں ہیں ٭ اہلِ سنت والجماعت ٭معتزلہ ٭ کرامیہ ٭حنابلہ۔

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام ہے، اس کے ساتھ ہے، ازلی ہے، حروف اور اصوات سے پاک ہے۔

(۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ کلام ہے مگر بندہ کے ساتھ لگی ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ متکلم ہے اس معنی کر کے کہ اس نے کلام کو بندوں میں پیدا کیا ہے۔

رد: اگر کلام پیدا کرنے سے اللہ متکلم ہو تو دیوار پر سیاہ رنگ لگانے والا کلو ہونا چاہیے۔

(۳) کرامیہ کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام ہے، اس سے لگی ہوئی ہے، مگر حادث ہے۔

رد: تعلقات حادث ہے اور صفت ازلی ہے۔

(۴) حنابلہ کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام ہے، اس کے ساتھ قائم ہے ، ازلی ہے، مگر حروف اور اصوات سے متصف ہے۔

رد: حروف اور اصوات تو حادث ہیں، اس لیے کہ جب تک پہلا حرف ختم نہیں ہوتا تب تک دوسرے حرف کا تکلم نہیں کر سکتے، جو ختم ہو جائے وہ تو حادث ہو جاتا ہے اور حوادث کا قیام اللہ کی ذات کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

اہلِ سنت کے مابین اختلاف: اللہ تعالیٰ کا کلام جو قدیم ہے حروف اور اصوات سے پاک ہے کیا اس کو سنا جا سکتا ہے؟

(۱) اشاعرہ کا نظریہ ہے کہ خرق عادت کے طور پر یعنی اللہ تعالیٰ سنانا چاہے تو سنا جا سکتا ہے۔

دلیل: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اسی کلامِ نفسی کو سنا تھا اور اسی لیے ان کو کلیم کہا جاتا ہے۔

(۲) ماتریدیہ کا نظریہ ہے کہ اس کو نہیں سنا جا سکتا، ہاں اس کلام نفسی پر جو کلام دلالت کرتا ہے اس کو سنا جا سکتا ہے۔

ماتریدیہ پر اعتراض: اگر اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی کو نہیں سنا جا سکتا، تو موسیٰ علیہ السلام کلیم کیسے ہوئے، آپ کے مطابق تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام لفظی سنا ہے اور کلام لفظی تو ہم بھی سنتے ہیں، پس ہمیں بھی کلیم کہنا چاہیے۔

جواب: چوں کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام کتاب اور فرشتے کے واسطے کے بغیر سنا تھا اس لیے کلیم ہوئے اور ہم فرشتے کے واسطے سے سنتے ہیں اس لیے کلیم نہیں ہوئے۔

کلام کے ازلی ماننے پر معتزلہ کی طرف سے دو اعتراض

اعتراض (۱) اگر اللہ تعالیٰ کے کلام کو ازلی مانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ازل میں آمر اور ناہی بھی ہوا لیکن بغیر مخاطب کے ہوا اور یہ تو پاگل پن ہے کہ سامنے کوئی نہ ہو اور بولتا رہے۔

جواب (۱) ہم اللہ تعالیٰ کو ازل میں صرف متکلم مانتے ہیں آمر اور ناھی تو اللہ بعد میں ہوا ہے اس لیے کوئی اعتراض نہیں۔

(۲) اور اگر مان لیا جائے کہ اللہ ازل میں ہی آمر تھا تب بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس لیے کہ مامور اس کے علم میں ہے، جیسے ایک بندے کے یہاں بچہ ہونے والا ہو اور وہ دماغ ہی دماغ میں پلان بنائے کہ اس کو یہ حکم دوں گا وغیرہ۔

اعتراض (۲) قرآن مجید میں ماضی کے صیغے سے خبر دی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز خبر دینے سے پہلے واقع ہو چکی ہے پس اگر کلام ازلی ہوگا تو جھوٹ لازم آئے گا؟

جواب: یہ ماضی، حال اور مستقبل سب بندوں کے اعتبار سے ہیں اللہ تعالیٰ زمانے سے پاک ہے اس لیے کوئی اشکال نہیں۔

نوٹ: اصل کلام ہے باقی سب یعنی امر، نہی، خبر، سب تعلقات ہیں اور تعلقات کے مختلف ہونے سے وہ صفت متکثر نہیں ہوگی۔

بحث خلقِ قرآن

کل تین جماعتیں ہیں: * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ * غالی حنابلہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ وہ قرآن جو کلامِ نفسی ہے وہ قدیم ہے اور کلامِ لفظی حادث ہے۔

(۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ قرآن حادث ہے۔

نوٹ: معتزلہ کے دماغ میں یہ ہے کے کلام کی ایک ہی قسم ہے اور وہ ہے کلامِ لفظی اس لیے وہ قرآن کو حادث کہہ بیٹھے۔

(۳) غالی حنابلہ کا نظریہ ہے کہ قرآن خواہ کلامِ نفسی ہو یا لفظی ہو قدیم ہے۔

اہلِ سنت والجماعت کی دلیل: قرآن مجید اور انبیاء کے اجماع سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے اور متکلم ہے تو یقینا کلام اللہ کے ساتھ لگا ہوگا اور وہ کلامِ نفسی ہوگا وہ اللہ کی ذات کی طرح قدیم ہوگا کلامِ لفظی نہیں ہوسکتا اس لیے کہ وہ حادث ہے اور حادث کا قیام اللہ کی ذات کے ساتھ ممتنع ہے۔

معتزلہ کی دلیل: آپ کے اکابرین نے قرآن کی تعریف کی ہے منزل منقول مکتوب مقرؤ مسموع اور محفوظ سے یہ سب حدوث کی علامتوں میں سے ہیں پس اس سے سمجھ میں آیا کہ قرآن حادث ہے۔

رد: ہمارے اکابرین نے یہ جو تعریف کی ہے وہ کلامِ لفظی کی کی ہے نہ کہ کلامِ نفسی کہ اور کلام لفظی کو تو ہم بھی حادث مانتے ہیں اس لیے آپ کی یہ دلیل حنابلہ کے خلاف تو بن سکتی ہے نہ کہ ہمارے خلاف۔

سوال: آپ کے مشائخ نے کلامِ لفظی کی تعریف کیوں کی اس سے تو سمجھ میں آ رہا ہے کہ قرآن صرف لفظ کا نام ہے؟

جواب: چوں کہ احکامِ شرعیہ کا مدار لفظ پر تھا اسی لیے کلام لفظی کی تعریف کی اور انہوں نے یہ صراحت بھی کی کہ قرآن لفظ اور معنیٰ دونوں کا نام ہے لفظ کے معنیٰ پر دلالت کے اعتبار سے۔

غالی حنابلہ پر رد: آپ نے کہا کہ کلامِ لفظی بھی قدیم ہے یہ بات گلے سے نیچے نہیں اترتی اس لیے کہ کلامِ لفظی بندے کا عمل ہوتا ہے مثلاً پڑھنا، لکھنا اور یاد کرنا اور بندے کا عمل متفاوت ہوتا ہے پس وہ قدیم کیسے ہوا؟

بحثِ صفت تکوین

تکوین کی تعریف: تکوین کہتے ہیں کسی معدوم کو عدم سے وجود کی طرف لانا۔

دعویٰ ماتریدیہ: صفتِ تکوین اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے ازلی یعنی ذاتی ہے۔

دلیل: (۱) اگر صفتِ تکوین کو حادث مانیں گے تو حوادثات کا قیام اللہ تعالیٰ کی ذات

کے ساتھ ہوگا اور یہ ممتنع ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے آپ کو مکوّن یعنی خالق کہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ صفتِ ازلی ہے۔

اشاعرہ کا اعتراض: اللہ تعالیٰ ازل میں خالق نہیں تھا۔

ماتریدیہ کا جواب: تو کیا اللہ جھوٹ بول رہا ہے۔

اعتراض: نہیں اللہ جھوٹ نہیں بول رہا ہے، بلکہ خالق کے یہاں مجازی معنیٰ مراد ہے، یعنی مستقبل میں پیدا کرنے والا ہے یا پیدا کرنے پر قادر ہے۔

جواب: جب حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہے تو مجاز کے طرف جانے کی کیا ضرورت ہے۔

(۳) اگر صفتِ تکوین حادث ہے تو پھر دوسری تکوین کی ضرورت پڑے گی اور دوسری تکوین بھی حادث پس تیسری تکوین کی ضرورت پڑے گی اور سلسلہ لازم آئے گا اور یہ محال ہے اور اگر آپ یہ کہے کہ دوسرے تکوین کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو حادث مُحدِث سے مستغنی ہو جائے گا۔

(۴) اگر صفتِ تکوین حادث ہے اور یہ اللہ کی ذات میں ہے تو اللہ تعالیٰ حوادث کا محل ہو جائے گا اور اگر یہ صفتِ تکوین اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں بلکہ بندے کے ساتھ لگی ہوئی ہے تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ بندہ خالق ہو جائے گا اس لیے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ صفت تکوین اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے ازلی ہے۔

نوٹ: صفتِ تکوین ازلی ہے عالم اور اس کے اجزاء کا بعد میں وجود میں آنا اس سے صفتِ تکوین حادث نہیں ہوتی کیونکہ یہ سب تعلقات ہیں اور تعلقات کے حدوث سے اصل صفت حادث نہیں ہوتی۔

ملحوظہ: کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ جس طرح ضرب مضروب کے بغیر نہیں پایا جا سکتا کیوں کہ دونوں لازم ملزوم ہے اسی طرح تکوین بغیر مکوَّن کے نہیں پائی جائے گی اور مکوَّن حادث ہے تو تکوین بھی حادث ہوگی۔

جواب: ماتن رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے کہ تکوین مکوَّن کا غیر ہے دونوں لازم ملزوم نہیں ہے۔ کیوں کہ جب دونوں غیر نہیں ہوں گے تو مکوِّن مکوَّن ہوگا اور مکوَّن مکوِّن ہوگا اور یہ محال ہے۔

بحثِ رؤیتِ باری تعالیٰ

دو جماعتیں ہیں: * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ رؤیتِ باری تعالیٰ دنیا میں عقلاً اور نقلاً ممکن ہے اور آخرت میں نقلاً بھی ثابت یعنی آخرت میں اللہ کی رؤیت ضرور ہوگی۔

دنیا میں ممکن ہونے پر عقلی دلیل: کسی بھی چیز کو دیکھنے کی تین علتیں ہوسکتی ہیں ۔(۱) وجود (۲) حدوث (۳) امکان، ظاہر سی بات ہے کہ حدوث اور امکان عدمی ہے اور عدمی علت نہیں بن سکتی پس یقیناً وجود علت ہوئی اور یہ علت اللہ تعالیٰ میں موجود ہے یعنی اللہ موجود ہے پس اللہ کو دیکھا جاسکتا ہے۔

دنیا میں ممکن ہونے پر نقلی دلیل: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب ارنی کے ذریعے دنیا میں رؤیت کا مطالبہ کیا تھا اور نبی محال چیز کا مطالبہ نہیں کرتا، پس اللہ کی رؤیت ممکن ہوئی۔

آخرت میں رؤیت کے ثبوت پر دلائل: [۱] قرآن مجید میں ہے الی ربها ناظره

یعنی قیامت میں کچھ چہرے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔[۲] حدیث پاک ہے متواتر ہے انکم سترون ربکم کما ترون القمر لیلة البدر یعنی تم اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔[۳] اجماع صحابہ۔

(۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت نہ دنیا میں نہ آخرت میں نہ عقلاً نہ نقلاً ممکن ہے۔

دلیل (۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا لاتدرکه الابصار یعنی تمام آنکھیں اللہ کو نہیں دیکھ سکتی۔

جواب (۱) دنیا میں نہیں دیکھ سکتی آخرت میں نہ دیکھنے کی نفی کہاں ہے (۲) چلیں مان لیتے ہیں آخرت مراد ہے تو یہ تمام آنکھوں کا ترجمہ کہاں سے کیا؟ یہاں کافروں کی آنکھیں مراد ہے (۳) چلیں سب کی آنکھیں مراد ہے مگر لاتدرکه کا ترجمہ نہ دیکھنے سے کیسے کیا؟ اس کا اصل ترجمہ ہے آنکھیں اللہ تعالیٰ کو کماحقہ نہیں دیکھ سکتی اور یہی ترجمہ اللہ کی شان کے مناسب ہے کیوں کہ اس میں اللہ کی مدح ہو رہی ہے۔

دلیل: (۲) کوئی بھی چیز اسی وقت دیکھی جا سکتی ہے جب وہ کسی مکان میں ہو جہت میں ہو اور رائی اور مرئی کے درمیان ایک معتدل مسافت ہو اور دیکھنے والے کی شعائیں مرئی سے متصل ہو اور یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ میں محال ہے بس اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا جا سکتا۔

جواب: یہ غائب (اللہ) کو حاضر پر قیاس کرنا ہے اس لیے یہ قیاس فاسد ہے اس لیے کہ یہ سب شرطیں شاہد یعنی غیر اللہ کو دیکھنے کی ہے۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو معراج میں دیکھا: کل تین جماعتیں ہیں

(۱) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کا ماننا ہے کہ نبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو معراج میں دیکھا ہے (۲) حضرت ماں عائشہ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو معراج میں نہیں دیکھا (۳) آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو معراج میں دیکھا ہے لیکن کما حقہ نہیں دیکھا جیسے میں آپ سے کہوں کہ میں نے سورج کو دیکھا ہے لیکن کما حقہ نہیں دیکھا یہ تیسرا نظریہ بہتر ہے۔

دلیل: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا هل ترىٰ ربک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا هو نورٌ أنّى اراه اللہ تعالیٰ نور ہے میں نور کو کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا لیکن کما حقہ نہیں۔

خلاصہ: اس بحث سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی رؤیت ممکن ہے۔

بحثِ خلق افعال عباد

کل تین جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * قدریہ * جبریہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ اچھے برے افعال کا خالق اللہ ہے بندہ کاسب ہے جیسے اللہ نے ایمان اور کفر دونوں کو پیدا کیا اور بندے کو اختیار دیا کہ ان میں سے جس کا بھی انتخاب کرنا چاہے کرے۔

خالق ہونے کے دلائل (۱): باری تعالیٰ کا فرمان ہے خالق کل شيئ وہ ہر چیز کا خالق ہے خواہ خیر ہو یا شر ہو (۲) افمن يخلق كمن لا يخلق کیا وہ جو خالق ہے اس طرح ہو سکتا ہے جو خالق نہ ہو؟ یہ آیت مقامِ مدح میں ہے اور اللہ کی تعریف اسی وقت ہو سکتی ہے جب اللہ ہی کو خالق مانا جائے۔ نیز صفتِ خلق کو عبادت کے استحقاق

کی علت بنانا ہے یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اللہ ہی کو خالق مانا جائے۔

(۳) عقلی دلیل: اگر بندہ اپنے افعال کا خالق ہے تو اسے اپنے افعال کی تفصیل معلوم ہونی چاہیے مثلاً وہ کتنے قدم چلا کتنا تیز چلا وغیرہ وغیرہ لیکن اس کو تفصیل معلوم نہیں ہوتی اس لیے وہ خالق نہیں ہے۔

بندے کے کاسب ہونے کی دلیل: جزاء بما کانوا یعملون اس آیتِ کریمہ میں عمل کی نسبت بندے کی طرف کی ہے اگر بندہ کاسب نہ ہوتا تو بندے کی طرف عمل کی نسبت نہ ہوتی۔

(۲) قدریہ کا نظریہ ہے کہ اچھے افعال کا خالق اللہ ہے لیکن برے افعال کا خالق بندہ ہے

دلائل: (۱) اگر برے افعال کا خالق اللہ کو مانیں گے مثلاً زنا کا خالق اللہ کو مانیں تو اللہ زانی ہوجائے گا۔

رد: زنا کو پیدا کرنے سے پیدا کرنے والا زانی نہیں ہوتا جیسے سیاہ کلر کے پیدا کرنے سے کوئی کلو نہیں ہوتا۔

(۲) اگر برے افعال کا خالق اللہ کو مانیں گے تو اللہ کی طرف برائی کی نسبت لازم آئے گی۔

رد: کوئی بھی چیز پیدائشی طور پر بری نہیں ہوتی غلط طریقے سے اختیار کی وجہ سے بری ہوتی ہے۔

(۳) فتبارک اللہ احسن الخالقین دیکھیے اللہ نے خود فرمایا کہ اللہ پیدا کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ اور بھی خالق ہے۔ نیز واذ تخلق من الطین یہ آیت بتارہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خالق تھے۔

رد: ان دونوں آیتوں میں خلق کے حقیقی معنیٰ مراد نہیں بلکہ مجازی معنیٰ یعنی جعل مراد ہے اور مجاز پر قرینہ کھیئة الطیر ہے یعنی پرندہ کی شکل بناتے تھے، روح ہم ڈالتے تھے۔

(۳) جبریہ کا نظریہ ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ ہے اور بندہ مجبور محض ہے۔

دلیل: تقدیر والی حدیثوں میں آتا ہے کہ ہر انسان کا ٹھکانہ لکھا جاچکا ہے اگر جنتی ہے تو جنت اور جہنمی ہے تو جہنم۔ دیکھیے اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ نے لکھا ہے وہی ہوگا بندے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

رد: اللہ تعالیٰ کے لکھنے کا مطلب وہ نہیں ہے جو آپ سمجھے ہیں بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے معلوم ہے کہ کونسا بندہ اپنے اختیار سے نیک اعمال کر کے جنت میں جائے گا اور کونسا جہنم میں اور یاد رہے! اللہ کے جاننے سے بندہ مجبور محض نہیں ہوتا جیسے ڈاکٹر کسی مریض کے بارے میں کہہ دے کہ یہ دو دن کا مہمان ہے اور دو دن کے بعد وہ مر گیا تو کوئی بھی نہیں کہتا کہ ڈاکٹر نے مارا بلکہ اس کے کمالِ علم کی تعریف کرتے ہیں۔

رد: اگر بندہ مجبور محض ہے تو کسی کو جنت اور کسی کو جہنم میں ڈالنا اللہ تعالیٰ کو ظالم بنائے گا۔

اہلِ حق کی علامت: اعمال کرو لیکن اس پر بھروسہ نہ کرو اور اللہ کے فضل کی امید رکھو۔

اہلِ باطل کی علامت: عمل تو کرتے ہیں لیکن عمل پر ہی بھروسہ کر لیتے ہیں اللہ کے فضل کی امید نہیں رکھتے یا عمل ہی نہیں کرتے۔

سوال: جب قدریہ بندوں کو برے افعال کا خالق مانتے ہیں تو مشرک ہونے چاہئے؟

جواب: نہیں کیوں کہ مشرک ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بندے کو اللہ کے خاص وصف میں برابر کا شریک مانے جب کہ یہ لوگ تو بندے کو اسباب کا محتاج مانتے ہیں۔

کسب اور خلق میں فرق: بندے کا کسی چیز کی طرف اپنی صلاحیت کو پھیرنا کسب

ہے اوراس کے بعد فعل کو ایجاد کرنا خلق ہے مثلاً بندے کے دل میں نماز پڑھنے کا داعیہ پیدا ہوا یہ کسب ہے اس کے بعد اللہ کا نماز کو پیدا کرنا خلق ہے۔

خلق اور جعل میں فرق: جعل کہتے ہیں بنانے کو اور خلق کہتے ہیں بنا کر اس میں روح ڈالنے کو۔

سوال: جبریہ کی طرف سے اہلِ سنت والجماعت پر: اگر آپ بندے کو کاسب اور اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے ہیں تو ایک ہی چیز کا دو قدرتوں کے تحت ہونا لازم آرہا ہے اور یہ محال ہے۔

جواب: محال نہیں ہے اگر جہت مختلف ہو یہاں ایک ہی چیز اللہ کے قدرت کے تحت ہے خلق کی جہت سے اور وہی چیز بندے کی قدرت کے تحت ہے کسب کی جہت سے۔

بحثِ استطاعت

نوٹ: لفظ استطاعت دو معنوں پر بولا جاتا ہے (۱) استطاعت اسباب اور آلات کی سلامتی کی وجہ سے (۲) استطاعت اس قدرت کی وجہ سے جس کو اللہ تعالیٰ بندے میں پیدا کرتا ہے جس کے ذریعے بندہ افعال اپنے اختیار سے بجالاتا ہے۔ اختلاف اس دوسری قسم میں ہے شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ یہ قدرت یعنی داعیہ فعل کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ فعل سے پہلے جب کہ معتزلہ کا کہنا ہے کہ یہ قدرت یعنی داعیہ فعل سے پہلے ہوتا ہے۔

فیصلہ کن بات: حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ قدرت تاثیر کی تمام شرائط کے ساتھ ہو یعنی مضبوط ہو تو فعل کے ساتھ ہوگی اور اگر یہ قدرت تاثیر کی

تمام شرائط کے ساتھ نہ ہو یعنی کمزور ہو تو فعل سے پہلے ہوگی۔

استطاعت اسباب اور آلات کی سلامتی کے ذریعے اس میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ استطاعت فعل سے پہلے ہوگی اس لیے کہ بندے کو عبادات کا جو مکلف بنایا جاتا ہے وہ اسباب، اعضاء، اور آلات کی سلامتی کی وجہ سے بنایا جاتا ہے پس اگر یہ فعل سے پہلے نہ ہوگی تو عاجز کو مکلف بنانا لازم آئے گا جیسے اسی بندے کو حج کا مکلف بنایا جائے گا جس کے پاس پیسے وغیرہ پہلے سے موجود ہو۔

اشیاء کی کل تین قسمیں ہیں: * محال بالذات * محال بالغیر * بندے کی طرف دیکھتے ہوئے ممکن ہو اگرچہ اللہ کے علم کی طرف دیکھتے ہوئے ممتنع ہو۔

(۱) محال بالذات جیسے ضدین کو جمع کرنا: اللہ تعالیٰ بندے کو اس کا مکلف نہیں بناتا۔

(۲) محال بالغیر یعنی جو فی نفسہ ممکن ہو لیکن بندے سے عادۃً صادر نہ ہو جیسے ہوا میں اڑنا، اللہ تعالیٰ بندے کو اس کا بھی مکلف نہیں بناتے۔

(۳) بندے کی طرف دیکھتے ہوئے ممکن ہو اگرچہ اللہ کے علم کی طرف دیکھتے ہوئے ممتنع ہو جیسے ابوجہل کو ایمان کا مکلف بنانا ابوجہل کے بس میں تھا اگرچہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف جانتے تھے، اللہ تعالیٰ بندے کو اس کا مکلف بناتے ہیں۔

بحثِ خلق متولدات

نوٹ: ایک ہے، مارنا اور دوسرا ہے اس کے بعد تکلیف کا پیدا ہونا، پہلے کو فعل بطریق المباشرت کہتے ہیں اور دوسرے کو فعل بطریق التولید کہتے ہیں۔

کل دو جماعتیں ہیں: * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ

(۱) اہلِ سنت و الجماعت کا نظریہ ہے کہ فعل بطریق المباشرت یعنی مارنا اور فعل بطریق التولید یعنی تکلیف دونوں کا خالق اللہ ہے بلکہ فعل بطریق التولید میں بندہ کاسب بھی نہیں ہے۔

(۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ دونوں کا خالق بندہ ہے۔

فعل بطریق المباشرت کی تعریف: وہ فعل جو فاعل سے بلا واسطہ صادر ہو جیسے مارنا۔

فعل بطریق التولید کی تعریف: وہ فعل جو فاعل سے کسی فعل کے واسطے سے صادر ہو جیسے تکلیف مارنے کے واسطے سے صادر ہوئی ہے۔

بحثِ موتِ مقتول باجلہ

یعنی مقتول اپنے مقررہ وقت پر مرتا ہے یا قاتل اس کو پہلے مار دیتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اجل ایک ہے یا دو۔

کل دو جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ مقتول اپنے وقت مقررہ پر مرتا ہے یعنی اس کی اجل ایک ہی ہے۔

دلیل: (۱) باری تعالٰی کا فرمان ہے لکل امة اجل اذا جاء اجلهم لا یستا خرون ساعة ولا یستقدمون۔

(۲) بخاری شریف میں حدیث ہے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحب زادی زینب رضی اللہ عنہ سے کہا تھا حضرت زینب رضی اللہ عنہ کے بچے کی وفات کے وقت کُلٌّ عنده باجل مُسَمًّى۔

(۳) اگر قاتل کے ہاتھ میں موت ہے تو بہت سے لوگ لاکھوں زخم کھانے کے بعد نہیں مرتے معلوم ہوا قاتل کسی کو وقت سے پہلے نہیں مار سکتا۔

معتزلہ کا نظریہ ہے کہ مقتول وقت مقررہ پر نہیں مرتا بلکہ قاتل وقت سے پہلے اس کو مار دیتا ہے گویا اجل دو ہے (۱) ایک اللہ کی طے کردہ (۲) ہنگامی

دلیل: (۱) احادیث میں ہے کہ نیکی انسان کے عمر میں اضافہ کرتی ہے مثلاً نیکی نہ کرتا تو چالیس سال کی عمر ہوتی اور نیکی کی تو ساٹھ سال کی عمر ہوگی معلوم ہوا کہ اجل دو ہے

(۲) اگر قاتل نے مقتول کو نہیں مارا تو پھر سزا کیوں دی جاتی ہے سزا نہیں ملنی چاہیے کیوں کہ آپ کے کہنے کے مطابق مقتول اپنے وقت پر مرا ہے۔

دلیل نمبر (۱) کا جواب: (۱) نیکی سے عمر میں حقیقی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ عمر میں برکت ڈال دی جاتی ہے۔

(۲) یہ جو ہمیں کمی، زیادتی نظر آرہی ہے یہ ہمارے ناقص علم کی وجہ سے ہے ورنہ اللہ کو پہلے سے معلوم ہے کہ یہ نیکی کرے گا اور اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی۔

دلیل نمبر (۲) کا جواب: مقتول تو اپنے وقت پر مرا ہے قاتل کو جو سزا مل رہی ہے وہ غلط راستہ اختیار کرنے پر یعنی کسب کی بنا پر مل رہی ہے مثلاً ٹہنی کے ٹوٹنے کا وقت طے تھا اور کوا آکر بیٹھا اور ٹہنی ٹوٹ گئی تو لوگ کہتے ہیں کہ کوے نے قصور کیا۔

نوٹ: خودکشی کرنے والا اپنے وقت پر مرتا ہے اس کو سزا اس لیے دی جاتی ہے کہ اللہ کے سامنے اپنی زندگی کو غلط طریقے سے پیش کرتا ہے، اس کے برخلاف مجاہد وہ بھی اپنے وقت پر مرتا ہے لیکن انعام اس لیے ملتا ہے کہ وہ اپنی زندگی اللہ کے دربار میں صحیح طریقے سے پیش کرتا ہے۔

کیا حرام رزق ہے؟

دو جماعتیں ہیں ٭ اہلِ سنت والجماعت ٭ معتزلہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ حرام بھی رزق ہے۔

دلیل: وما من دابة فی الارض الا علی اللّٰه رزقها یعنی ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ ہے پس اگر حرام کو رزق نہیں مانیں گے تو مطلب ہوگا کہ جس نے زندگی بھر حرام کمایا اس کو اللہ نے روزی نہیں دی۔

(۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ حرام رزق نہیں ہے۔

دلیل: (۱) اگر حرام کو رزق مانیں گے تو اللہ کی طرف حرام کی نسبت کرنا لازم آئے گا۔

(۲) اگر حرام رزق ہے یعنی اللہ نے دیا ہے تو حرام کھانے والے کو سزا کیوں دی جاتی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو حرام پیدا نہیں کیا بلکہ بندہ غلط طریقے سے اختیار کر کے اس کو حرام بنا دیتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو سزا ملتی ہے جیسے باپ نے تجوری میں سو روپے رکھے اور دو بیٹوں سے کہا کہ جو فلاں کام کرے گا اس کو ہم دیں گے پس ایک نے وہ کام کر کے سو روپے حاصل کیے اور دوسرے نے چوری کر کے حاصل کیے۔ دیکھیں باپ نے تو حرام نہیں دیا۔

بحثِ ہدایت واضلال

نوٹ: ہدایت اور اضلال کے دو معنی ہیں (۱) ہدایت یعنی سیدھا راستہ دکھانا اور اضلال یعنی غلط راستہ دکھانا۔

(۲) ہدایت یعنی صحیح مطلوب تک پہنچانا اور اضلال یعنی غلط مطلوب تک پہنچانا۔

قولِ فیصل: جب بھی قرآن اور احادیث میں ہدایت یا اضلال کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کی طرف ہو تو راہ دکھانے کا معنی مراد ہوگا جیسے ان القرٰان یھدی یعنی یہ قرآن سیدھی راہ دکھاتا ہے اور جیسے ربنا انا اطعنا سادتنا و کبراءنا فاضلونا یعنی ہمارے بڑوں نے غلط راستہ دکھایا۔

اور جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو باعتبار قرائن دو معنوں میں سے کوئی ایک معنی مراد ہوگا جیسے واما ثمود فھدینٰھم یہاں ہدایت کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور راہ دکھانے کا معنیٰ ہے اور قرینہ فاستحبوا العمیٰ ہے اور جیسے فان اللّٰہ یضل من یشاء ویھدی من یشاء یہاں دوسرا معنی مراد ہے یعنی جب کوئی بندہ غلط راستہ اختیار کر کے اپنی صلاحیت ضائع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں گمراہی پیدا کر دیتا ہے اور جو بندہ راہ راست اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں ہدایت پیدا کر دیتا ہے اور قرینہ من یشاء ہے۔

نوٹ: معتزلہ صرف پہلا معنی مراد لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر دوسرا معنی یعنی گمراہی پیدا کرنا مراد لیں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف برائی کی نسبت لازم آئے گی لیکن یہ ان کی مشہور گمراہی ہے اس لیے کہ اللہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کوئی چیز بری نہیں ہے۔



بحثِ اصلح للعبد



یعنی وہ چیزیں جو بندے کے لیے بہتر ہو۔

سوال: کیا اللہ تعالیٰ پر اس کا کرنا واجب ہے؟

دو جماعتیں ہیں: * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ کوئی بھی چیز خواہ بندے کے لیے بہتر ہو یا نہ ہو اللہ تعالیٰ پر ضروری نہیں ہے ہاں اللہ تعالیٰ بندوں کیلئے ہمیشہ اچھا ہی کرتا ہے۔

(۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ جو بندے کے لیے بہتر ہو اللہ پر اس کا کرنا ضروری ہے۔

دلیل: باری تعالیٰ فرماتے ہیں وکان حقا علینا نصر المومنین ہم پر ضروری ہے مؤمنین کی مدد کرنا۔

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں کہہ سکتا ہے کہ ہم پر لازم ہے، بندے کون ہوتے ہیں اللہ پر لازم کرنے والے؟ یہی بات ہم آپ کو سمجھا رہے ہے نیز آپ ہمیں واجب کا مطلب سمجھائیں کیا اللہ اگر نہیں کرے گا تو آپ سزا دیں گے؟ کیا اللہ پر واجب کر کے اللہ کو مجبور بنائیں گے پھر کیا مطلب ہے؟

دلیل: (۲) اگر اللہ کو معلوم ہے کہ یہ چیز بندے کے لیے بہتر ہے پھر بھی نہیں دیتا تو بخل ہے اور اگر معلوم نہیں ہے تو یہ جہالت ہے۔

جواب: کیا تم اپنا حق سمجھتے ہو کہ اس طرح مانگ رہے ہو؟ ہمارا نظریہ تو یہ ہے کہ وہ دے دے تو فضل ہے اور نہ دے تو عدل ہے۔

بحثِ عذابِ قبر

دو جماعتیں ہیں: * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ، روافض، غیر مسلمین وغیرہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ عذابِ قبر برحق ہے۔

دلیل: باری تعالیٰ کا فرمان ہے النا ریعرضون علیھا غدواو عشیا ویوم تقوم

الساعة یعنی آلِ فرعون کو پیش کیا جاتا ہے آگ پر صبح و شام اور جس دن قیامت قائم ہوگی (اللہ تعالی فرمائے گا) تم داخل کرو آلِ فرعون کو سخت عذاب میں۔

طریقۂ استدلال: (۱) اس آیت میں واو مغایرت کے لیے ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ واو سے پہلے قیامت سے پہلے کا عذاب مراد ہے اور وہ عذاب قبر ہے (۲) مشکوٰۃ شریف میں ماں عائشہ کی روایت ہے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے بعد اپنی دعا میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔

(۲) بعض معتزلہ روافض اور غیر مسلمین کا نظریہ ہے کہ عذاب قبر برحق نہیں ہے۔

دلیل: انسان مرنے کے بعد جمادات کی طرح ہوتا ہے اس میں کوئی حیات نہیں ہوتی پس کیسے عذاب دیا جائے گا؟ اور اگر دیا بھی گیا تو اس کو محسوس تک نہیں ہوگا نیز اس کو جلا بھی دیا جاتا ہے یا جانور کھا لیتا ہے پس عذاب کس کو ہوگا؟

جواب: (۱) متصوفین یعنی صوفیوں کا کہنا ہے کہ انسان جب مرجاتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے اندر سے روح اور اصلی مادے کو لے لیتے ہیں اور یہ روح دوسرے عالم کی طرف منتقل ہوجاتی ہے جس کو عالم برزخ کہا جاتا ہے پھر اس عالم کی فضاء کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اصلی مادے کو جسم مثالی عطا کرتا ہے پس عذاب یا نعمت روح، اصلی مادہ اور جسم مثالی کو ہوتا ہے اور دنیا میں جو جسم تھا وہ زائد تھا سڑ گل کر ختم ہوجاتا ہے اس کو عذاب نہیں ہوتا۔

(۲) محدثین کا کہنا ہے کہ اصل عذاب روح کو ہوتا ہے اور ضمناً ان اجزاء کو بھی ہوتا ہے۔ جو دنیا میں تھے اب وہ اجزاء خواہ مٹی میں رل مل جائے یا جلا دیے جائے یا جانور کھا لے اللہ تعالیٰ ان اجزاء کو جانتا ہے نیز چاہے ہمیں عذاب نظر نہ آئے جیسے ایک

بندہ خواب میں دیکھے کہ کوئی اس کو مار رہا ہے پڑوس والے کو احساس نہیں ہوتا کہ یہ مار کھا رہا ہے اس لیے کہ یہ معاملہ روح کے ساتھ ہو رہا ہوتا ہے۔

بحثِ بعث

کل دو جماعتیں ہیں: ٭ اہلِ سنت والجماعت ٭ فلاسفہ اور ہندو

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ زندہ کرے گا اور سب کو میدانِ محشر میں جمع کر کے حساب لے گا اور بعث کی شکل یہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اجزائے اصلیہ کو جمع کر کے روح کو اس کی طرف لوٹا دے گا۔

دلیل: باری تعالیٰ کا فرمان ہے ثم انکم یوم القیمة تبعثون پھر تم کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔

(۲) فلاسفہ اور ہندوں کا نظریہ ہے کہ انسانوں کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔

دلیل: ضابطہ ہے معدوم کا بعینہٖ اعادہ محال ہے جیسے گلاس ٹوٹ جائے تو بعینہٖ اس کا اعادہ نہیں ہو سکتا۔

جواب: (۱) یہ ضابطہ اپنے پاس رکھیں۔ آپ کے اندر یہ قدرت نہیں ہے اللہ میں تو ہے کہ وہ معدوم کا بعینہ اعادہ کرے۔

جواب: (۲) ویسے بھی آخرت میں اعادہ بعینہٖ اسی جسم کا نہیں ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ اجزائے اصلیہ سے وہاں کی فضاء کے اعتبار سے جسم بنائے گا لہذا یہ معدوم بعینہٖ کا اعادہ نہیں ہوا۔

سوال: اگر کوئی انسان کسی انسان کو کھا لے اس طور پر کہ ماکول آکل کا جز ہو جائے پس

اعادہ کی دو صورتیں ہوسکتی ہے یا تو وہ اجزاء دونوں میں لوٹائے جائے اور یہ ہو نہیں سکتا کیوں کہ معلوم نہیں ہے کہ کس کا کونسا جز ہے یا پھر وہ سارے اجزاء ایک میں لوٹا دیے جائے پس دوسرے کا اعادہ تمام اجزاء کے ساتھ نہیں ہوا؟

جواب (۱) یہ جو اجزاء کھا لیے گئے ہیں وہ تو زائد ہیں اعادہ تو اجزائے اصلیہ کا ہوگا اس لیے اجزائے زائدہ کو اگر کھالیا جائے یا جلا دیا جائے یا زمین میں دفن کر دیا جائے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(۲) آج کی مشینیں بتا دیتی ہیں کے کس کا کونسا جز ہے پس اللہ کے لیے کیا مشکل ہے؟

سوال: اسلام میں بھی آواگون یعنی پنر جنم ہے کیوں کہ پنر جنم کہتے ہیں ایک کی روح نکال کر دوسرے جسم میں ڈال دینا اور یہ چیز اسلام میں ہے کیوں کہ آخرت میں جنتی یا جہنمی کو لمبا چوڑا دوسرا جسم دیا جائے گا؟

جواب: یہ آواگون نہیں ہے کیوں کہ آخرت میں جو جسم ہوگا وہ دوسرا نہیں ہوگا بلکہ پہلے جسم کے اجزائے اصلیہ سے بنایا گیا ہوگا۔

پنر جنم والوں سے سوالات:

سوال: (۱) یہ انسان کی روح نکال کر کتے میں کیوں ڈالی گئی اگر آپ کہے سزا کے لیے تب بھی آپ کی بات درست نہیں ہے کیوں کہ سزا احساس کو کہتے ہیں اور کتے کو احساس بھی نہیں ہے کہ میں پچھلے جنم میں گنہگار تھا۔

سوال (۲) جس کو سزا دی جا رہی ہو ان کی تو مدد نہیں کرنی چاہئے؟ پس آپ کے عقیدے کے مطابق جتنے معذورین ہیں ان کی مدد نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ وہ پچھلے جنم میں گنہگار تھے۔

بحثِ وزن

کل دو جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ وزن برحق ہے۔

دلیل: والوزن یومئذ الحق قیامت کے دن وزن برحق ہے۔

(۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ وزن برحق نہیں ہے۔

دلیل: (۱) اعمال یہ اعراض کے قبیل سے ہیں اور عرض کا کوئی وجود نہیں ہوتا پس اس کا وزن کیسے ہوگا؟

جواب: آج کے زمانے میں عرض کا وزن ہوتا ہے جیسے بخار وغیرہ کا اس لیے آپ کا کہنا درست نہیں ہے۔

دلیل: (۲) جب اللہ تعالیٰ کو پہلے سے معلوم ہے کہ کون کیا عمل کر کے آیا ہے پس وزن کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: ہر کام کی صرف ایک حکمت نہیں ہوتی بلکہ ایک سے زائد ہو سکتی ہے جیسے یہاں وزن کرنے کی ایک حکمت اگر معلوم کرنا ہے تو دوسری حکمت بندوں پر یہ حجت قائم کرنا بھی ہو سکتی ہے کہ دیکھو! تمہارے یہ اعمال ہیں تم پر ظلم نہیں ہو رہا ہے۔

سوال: وزن کی کیا کیفیت ہوگی؟

جواب: قرآن میں ''میزان'' کا لفظ آیا ہے اور احادیث میں اس کی تشریح ہے کہ اس کی ایک زبان ہوگی اور دو پلڑے بس اس سے زیادہ اس کی کیفیت سمجھنے سے ہم قاصر ہیں۔

سوال: میزان ایک ہوگی یا کئی؟

جواب: راجح قول یہ ہے کہ ایک ہی ہوگی اور قرآن میں موازین تعظیم کے پیشِ نظر جمع لائے ہیں۔

سوال: کفار کے عمل کا وزن ہوگا؟

جواب: ہاں، تا کہ ان پر بھی حجت تام ہوجائے۔

بحثِ حوض

سوال: حوض ایک ہے یا دو؟

جواب: حقیقی حوض جنت میں ہے جیسے بخاری شریف، حدیث معراج میں ہے کہ میں ایک نہر کے پاس سے گزرا پس جبرئیل نے کہا یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کی ہے اور اس کی شاخ محشر میں ہوگی جیسے مسلم شریف میں ہے کہ جنت سے میرے حوض میں دو پرنالے جاری ہوں گے پس حقیقت کے اعتبار سے حوض ایک ہوا اور واقع ہونے کے اعتبار سے دو ہوا۔

سوال: حدیث پاک ہے جو اس حوض سے پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا اب سوال یہ ہے کہ جب پیاس ہی نہیں لگے گی تو جنت میں پانی پینے کا کیا فائدہ؟

جواب: پانی پینا دو مقصد کے تحت ہوتا ہے ایک: پیاس بجھانے کے لیے دوسرا: لذت حاصل کرنے کے لیے پس جنت میں لذت حاصل کرنے کے لیے پانی پیئے گا جیسے پھل یا تو غذا کے لیے یا لذت حاصل کرنے کے لیے کھاتے ہیں۔

بحثِ صراط

کل دو جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ میدانِ محشر سے جنت تک پل پر سے گزرنا برحق ہے۔

دلیل: ترمذی شریف کے اندر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں قیامت کے دن آپ کو کہا تلاش کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا پل کے پاس نیز مسلم شریف کے اندر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حکما مرفوع روایت ہے کہ پل بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

(۲) معتزلہ کا دعویٰ ہے کہ پل صراط برحق نہیں ہے۔

دلیل: اولاً تو اتنی باریک چیز کو عبور کرنا ممکن نہیں ہے اور اگر ممکن بھی ہو تو مومنین کو سزا دینا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ پار کروانے پر قادر ہے نیز اللہ تعالیٰ مؤمنین پر اس کو ایسا آسان کر دے گا کہ احساس بھی نہیں ہوگا لیکن اس سے بہتر جواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پل سے گزارنا تصفیہ یعنی صفائی کے لیے ہوگا پس جو لوگ پہلے سے صاف ستھرے ہوں گے وہ تو بجلی کی طرح گزر جائیں گے اور کچھ ایسے ہوں گے جن کے اعمال میں کچھ نقص ہوگا وہ الجھتے الجھتے پار کریں گے اور کچھ مؤمنین ایسے ہوں گے جن کے اعمال بہت خراب ہوں گے ان کو صفائی کے لیے جہنم میں بھیج دیا جائے گا اس لیے معتزلہ کا تعذیب کے ذریعے دلیل پیش کرنا درست نہیں ہے۔

سوال: یہ پل حوض سے پہلے ہے یا حوض کے بعد؟

جواب: راجح قول کے مطابق حوض کے بعد ہے۔

بحثِ جنت وجہنم

کل دو جماعتیں ہیں: * اہلِ سنت والجماعت * فلاسفہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ یہ ہے کہ جنت اور جہنم برحق ہے۔

دلیل: ان المتقین فی جنٰت وعیون اور لھم نار جھنم جیسی آیتیں۔

(۲) فلاسفہ کا نظریہ ہے کہ جنت اور جہنم نہیں ہے اور قرآن مجید میں جنت اور جہنم کا جو لفظ بولا گیا ہے اس سے مراد روح کو لذت اور تکلیف پہنچانا ہے باقی آخرت میں جنت اور جہنم کا وجود نہیں ہے۔

دلیل: قرآن مجید میں جنت کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر بیان کی گئی ہے ظاہر سی بات ہے اتنی بڑی جنت عالم عناصر (دنیا) میں نہیں ہوسکتی کیوں کہ وہ چھوٹا ہے اور عالم افلاک میں بھی نہیں ہوسکتی ورنہ پھاڑنا اور جوڑنا لازم آئے گا اور عالم افلاک میں خرق و التیام نہیں ہوسکتا۔

جواب: تمہاری نئی نسل نے ثابت کردیا کہ عالم افلاک میں خرق والتیام ممکن ہے۔

اب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جنت ہے اور اکثر اکابرین کا کہنا ہے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔

بحث جنت اور جہنم موجود ہیں

کل دو جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ جنت اور جہنم ابھی موجود ہیں۔

دلیل: (۱) حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں رہ کر آنا سب سے بڑی دلیل ہے۔

(۲) اعدت للمتقین فعل ماضی ہے جس کا حقیقی معنیٰ ہے جنت تیار کی جا چکی ہے۔

(۳) لیلۃ المعراج میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنت کو دیکھنا وغیرہ۔

(۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ جنت اور جہنم قیامت کے دن بنائے جائیں گے ابھی موجود نہیں ہیں۔

دلیل: تلک الدار الاٰخرۃ نجعلھا یہ آخرت کا گھر ہم بنائیں گے اس سے معلوم ہوا ابھی موجود نہیں ہیں۔

جواب: نجعل یہ حال اور استمرار کا احتمال رکھتا ہے اور قاعدہ ہے جب احتمال آ جائے تو اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

دلیل: اگر جنت اور جہنم کو فی الحال موجود مانیں گے تو دو آیتوں میں تعارض لازم آئے گا وہ اس طرح کہ اکلھا دائم والی آیت کہہ رہی ہے کہ پھل ہمیشہ رہیں گے اور کل شیئ ھالک والی آیت کہہ رہی ہے کہ ہر چیز قیامت کے دن ہلاک ہوگی اس لیے اس تعارض کو ختم کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ جنت اور جہنم کو قیامت کے بعد مانا جائے۔

جواب: دونوں کو فی الحال ماننے کی صورت میں دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہیں وہ اس طرح کہ قیامت کے دن ہر چیز تھوڑی دیر کے لیے ہلاک ہوگی اس کے بعد فوراً وجود میں آ جائے گی جیسے ہم کہتے ہیں کہ اس درخت پر ہمیشہ پھل رہتے ہیں حالانکہ ہم توڑتے ہیں لیکن چوں کہ توڑنے کے بعد اس پر پھل آ جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہلاکتِ لحظہ اور دوامِ نوعی میں کوئی تعارض نہیں ہوتا۔

بحثِ بقاء جنت وجہنم

کل دو جماعتیں ہیں: ٭ اہلِ سنت والجماعت ٭ جہمیہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ جنت اور جنتی ،جہنم اور جہنمی کبھی فنا نہیں ہوں گے۔

دلیل: خالدین فیہا ابدا۔

(۲) جہمیہ کا نظریہ یہ ہے کہ وہ سب فنا ہو جائیں گے۔

رد: ان کی یہ بات قرآن وسنت کے خلاف ہے۔

بحثِ کبیرہ

کبیرہ کی تعریف: سچ بات یہ ہے کہ کبیرہ کی تعریف نہیں کی جا سکتی البتہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو کام کے لیے بھیجا ہے (۱) اللہ تعالیٰ کی عظمت (۲) مخلوق پر شفقت پس جو گناہ ان دونوں کو جتنا پامال کرے گا اتنا بڑا گناہ ہوگا جیسے شرک اللہ تعالیٰ کی عظمت کو سب سے زیادہ پامال کرتا ہے اس لیے سب سے بڑا کبیرہ ہے۔

اور جیسے جادو مخلوق پر شفقت کو سب سے زیادہ پامال کرنے والا ہے اس لیے بڑا کبیرہ ہوگا۔

نوٹ: یہاں کبیرہ سے کفر وشرک کے علاوہ کبیرہ مراد ہے۔

کل تین جماعتیں ہیں: ٭ اہلِ سنت والجماعت ٭ معتزلہ ٭ خوارج

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے بندہ نہ تو ایمان سے نکلتا ہے اور نہ کفر میں داخل ہوتا ہے۔

دلیل: (۱) یاایھا الذین امنوا توبوا دیکھیے اس آیت کریمہ میں گنہگاروں کو اللہ تعالیٰ

نے ایمان والا کہا (۲) مشکوۃ شریف میں روایت ہے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا من کان یومن باللہ والیوم الاخر دخل الجنۃ وان زنا وان سرق دیکھیے اس حدیث میں زنا اور چوری کرنے والے کو دخول جنت کی بشارت دی گئی (۳) ایمان سے بندہ اس وقت نکالتا ہے جب وہ تصدیق کے منافی کام کرے، ظاہر سی بات ہے گنہگار جو گناہ کرتا ہے وہ تصدیق کے منافی نہیں ہے کیوں کہ وہ شہوت کے غلبے کی وجہ سے کرتا ہے نہ کہ حلال اور ہلکا سمجھ کر۔

(۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے تو نکل جاتا ہے مگر کفر میں داخل نہیں ہوتا۔

ایمان سے نکلنے پر دلیل (۱): افمن کان مومنا کمن کان فاسقا دیکھیے اس آیت میں فاسق یعنی گنہگار کو مومن کا مقابل بنایا ہے معلوم ہوا کہ وہ مومن نہیں ہے۔

جواب: آیت کریمہ میں فاسق سے گنہگار نہیں بلکہ کافر مراد ہے کیوں کہ آگے آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم اس جہنم کی آگ کو چکھو جسکو تم جھٹلاتے تھے ظاہر سی بات ہے جھٹلانے والا تو کافر ہی ہوتا ہے۔

دلیل (۲) حدیث پاک ہے لا ایمان لمن لا ایمانۃ لہ دیکھیے خیانت کرنے والے کو غیر مومن کہا۔

جواب: یہاں حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ یہاں دھمکانے کے لیے ناقص یعنی چھوٹی چیز کو کامل یعنی بڑی چیز کے درجے میں اتار دیا ہے۔

اور مجازی معنیٰ لینے پر قرینہ وان زنا وان سرق والی حدیث ہے۔

کفر میں داخل نہ ہونے پر دلیل: گنہگاروں کو مومنین کے قبرستان میں دفن کیا جانا

کافر نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

(۳) خوارج کا نظریہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے بلکہ مرتکب صغیرہ بھی۔

دلیل: ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جو قرآن کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے، ظاہر ہے کہ گناہ کرنے والا بھی قرآن کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اس لیے وہ کافر ہے۔

جواب: فیصلہ نہ کرنا دو قسم کا ہے (۱) دل سے پس یقیناً یہ تو کافر ہے اور آیت میں یہی مراد ہے (۲) ظاہر سے، یہ آیت میں مراد نہیں ہے، عمل نہ کرنے والا دل سے قرآن کے خلاف نہیں کرتا اس لیے وہ کافر نہیں ہے۔

دلیل (۲) ان العذاب علی من کذب و تولی اللہ فرما رہا ہے کہ عذاب تو مکذب ہی کو ہوگا ظاہر ہے کہ عذاب گنہگار کو بھی ہوگا پس وہ مکذب ہوا۔

جواب: آیت کریمہ میں عذاب سے حقیقی عذاب مراد ہے یعنی ایسا عذاب جس کے بعد دائمی نعمت نہ ہو ظاہر ہے کہ مومن کو ایسا عذاب نہیں ہوگا پس آیت سے وہ مراد نہیں ہے۔

دلیل (۳) حدیث پاک ہے من ترک الصلاۃ متعمدا فقد کفر۔

جواب: یہاں بھی دھمکانے کے لیے ناقص کو کامل کے درجے میں اتار دیا ہے اس لیے حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہوگا اور مجاز پر قرینہ وان زنا وان سرق والی حدیث ہے۔

بحثِ عفو صغیرہ و کبیرہ

کل دو جماعتیں ہیں ٭ اہلِ سنت والجماعت ٭ معتزلہ

(۱) اہلِ سنت و الجماعت کا نظریہ ہے کہ اللہ چاہے گا تو صغائر اور کبائر کو معاف

کردے گا خواہ توبہ کے ساتھ ہو یا توبہ کے بغیر سوائے شرک کے۔

دلیل: ویغفر مادون ذلک لمن یشاء آیت کریمہ میں ما عام ہے یعنی شرک کے علاوہ جو بھی گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

(۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ جو بندہ گناہ کبیرہ کرے اور توبہ نہ کرے تو اللہ پر ضروری ہے کہ اس کی پکڑ کرے معاف نہ کرے۔

دلیل: (۱) قرآن مجید اور احادیث پاک میں گنہگاروں کے لیے وعید وارد ہوئی ہے پس اگر معافی کی بات کریں گے تو قرآن واحادیث کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا۔

جواب منعی: ہم نے کب کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام گنہگاروں کو معاف کردیں گے بلکہ جس کو چاہیں گے معاف کریں گے ہاں اگر تمام کو معاف کرنے کی بات کرتے تو نصوص کا جھوٹا ہونا لازم آتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ وعیدیں اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔

جواب تسلیمی: ان آیتوں سے اتنا تو معلوم ہوا کہ گنہگاروں کو عذاب ہوگا اللہ تعالیٰ پر ضروری ہے یہ عقیدہ کہاں سے لائے؟ نصوص میں تو نہیں ہے۔

دلیل (۲) جب گنہگار کو معلوم ہو جائے کہ گناہ پر اس کو سزا نہیں دی جائے گی بلکہ معاف کردیا جائے گا تو وہ گناہ پر جری ہو جائے گا۔

جواب: یہ ایسا ہی ہے جیسا ایک بادشاہ نے اعلان کیا ہو کہ جو چوری کرے گا اس کی گردن اڑا دی جائے گی بعد میں بادشاہ نے کسی چور کو معاف کردیا تو کیا کوئی اس معافی کو دیکھ کر چوری کرے گا؟ نہیں بلکہ وہ سوچے گا کہ ہوسکتا ہے اس کو معاف کردیا مجھے نہ کرے۔

بحث خلف فی الوعید

یعنی یہ بات تو طے ہے کہ اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا لیکن اللہ سے وعید خلافی ممکن ہے ؟یعنی اللہ تعالیٰ وعید کے بعد معاف کر دے؟

کل دو جماعتیں ہیں: * اشاعرہ * ماتریدیہ

(۱)اشاعرہ کا نظریہ ہے کہ وعید خلافی اللہ کی طرف سے ممکن ہی نہیں بلکہ کرم ہے۔

(۲)ماتریدیہ کا نظریہ ہے کہ وعید خلافی ممکن نہیں ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مایبدل القول لدی یعنی میرے پاس بات بدلی نہیں جائے گی پس اگر وعید خلافی مانیں گے تو بات کا بدلنا لازم آئے گا۔

جواب: ایسی آیتوں کے بعد ان شاء محذوف ہوگا یعنی اللہ چاہے گا تو نہیں بدلے گا اور اگر چاہے گا تو بدل دے گا۔

بحث عقابِ صغیرہ

کل دو جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ

(۱)اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ صغیرہ پر پکڑ ممکن ہے خواہ صغیرہ کا مرتکب کبیرہ سے بچتا ہو یا نہ بچتا ہو۔

دلیل: لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصھا یعنی نامۂ اعمال صغیرہ کو بھی نہیں چھوڑے گا اس کو محفوظ کرے گا ظاہر ہے کہ محفوظ کرنا پکڑ ہی کے لیے ہوتا ہے۔

(۲)معتزلہ کا نظریہ ہے کہ مرتکب صغیرہ جب کبیرہ سے بچتا ہو تو اللہ پر لازم ہے کہ اس کو سزا نہ دے۔

دلیل: ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنه نکفر عنکم سیئاتکم **یعنی** اگر تم کبائر سے بچو گے تو ہم تمہارے صغائر معاف کردیں گے۔

جواب: یہاں کبائر سے کفر مراد ہے **یعنی** اگر تم کفر سے بچو گے تو تمہارے صغائر معاف کردیں گے۔

سوال: کبائر جمع کیوں لائے جب کہ کفر تو ایک ہے؟

جواب: کفر کی انواع بہت ہیں اس کی طرف دیکھتے ہوتے کبائر جمع لائے۔

معتزلہ کو اصل جواب: اگر آیت کریمہ میں کبائر سے کبیرہ گناہ ہی مراد ہو تب بھی یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ پر ضروری ہے کہ عذاب نہ دے۔

بحثِ شفاعت

شفاعت کی دو قسمیں ہیں * شفاعتِ کبریٰ * شفاعتِ صغریٰ

(۱) شفاعتِ کبریٰ یعنی وہ شفاعت جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ حساب شروع کروائیں گے ،شفاعتِ کبری صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے ہے۔ (۲) شفاعتِ صغریٰ حساب وکتاب کے بعد دیگر انبیاء علماء، صلحاء اور حفاظ کو حاصل ہوگی۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ بغیر شفاعت کے معاف کرنے اور درجات بلند کرنے پر قادر ہے تو شفاعت کا حق کسی بندے کو کیوں دے گا؟

جواب: اس بندے کو عزت بخشنے کے لیے۔ اس سے ان حضرات کی تردید ہوئی جو یہ سمجھتے ہیں کہ نبی اور ولی اللہ تعالیٰ کو مجبور کردیں گے کہ فلاں کو جنت میں داخل کرے اس کو جبری سفارش کا نظریہ کہتے ہیں اسلام اس کا قائل نہیں ہے۔

کل تین جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ * مشرکین اور بعض مسلمان۔

(۱) اہلِ سنت و الجماعت کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو عزت بخشنے کے لیے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے حق میں شفارش کا انعام دے گا۔

دلیل (۱) مسلم شریف، بخاری شریف وغیرہ میں حدیث ہے شفاعتی لاھل الکبائر من امتی یعنی میری سفارش میری امت کے گنہگاروں کے لیے ہوگی (۲) فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین یعنی کافرین کو کسی کی شفارش نفع نہیں دے گی اس کلام کا اسلوب دلالت کرتا ہے کہ مومنین کو سفارش نفع دے گی خواہ وہ گنہگار ہو یا نہ ہو۔

(۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ سفارش گنہگاروں کے لیے نہیں بلکہ نیک لوگوں کے درجات بلند کرنے کے لیے ہوگی۔

دلیل (۱) ولا یقبل منھا شفاعۃ یعنی قیامت کے دن کسی کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔

جواب: کسی کی سے مراد کافر کے حق میں کسی کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی اس آیت کو کافر کے ساتھ خاص کرنا ضروری ہے تاکہ حدیث اور آیت میں تعارض نہ ہو۔(۲) ما للظلمین من حمیم ولا شفیع یطاع یعنی ظالمین کے لیے کوئی سفارشی نہیں ہوگا۔

جواب: اس آیت میں بھی ظالم سے مراد کافر ہے۔

الزامی جواب: آپ تو سفارش کے قائل ہیں درجات کی بلندی کے معنی میں پس یہ آیتیں تو آپ کے بھی خلاف ہیں۔

(۳) مشرکین اور بعض مسلمانوں کا نظریہ ہے کہ ملائکہ اور نیک بندے اللہ کو مجبور کر

دیں گے۔

تردید: من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ **یعنی کوئی اللہ کے حکم کے بغیر سفارش نہیں کر سکے گا چہ جائے کہ مجبور کرے۔**

بحثِ مرتکب کبیرہ خلود فی النار

یعنی وہ مرتکبِ کبیرہ جو بغیر توبہ کے مرے جہنم میں ہمیشہ رہے گا یا نہیں؟

کل دو جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ ایسا شخص کسی نہ کسی دن جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوگا۔

دلیل: فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہٗ، یعنی جو چھوٹی سی بھی نیکی کرے گا وہ اس کا فائدہ دیکھے گا اور ایمان سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں ہے پس وہ ضرور اس نیکی کا فائدہ دیکھے گا اور وہ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہونے کی صورت میں ہوگا۔

(۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ ایسا شخص ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

دلیل: و من یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جھنم خالدا فیھا یعنی جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے۔

جواب: (۱) ایسی آیتوں میں خلود سے ہمیشہ ہمیش رہنا مراد نہیں ہے بلکہ لمبی مدت ٹھہرنا مراد ہے جیسے عرب حضرات کہتے ہیں سجن مخلد یعنی لمبی مدت جیل میں رہنا

(۲) یہاں بھی دھمکانے کے لیے ناقص کو کامل کے درجے میں اتار دیا گیا ہے یعنی آیت کے حقیقی معنی مراد نہیں ہے اور قرینہ وان زنا وان سرق والی حدیث ہے۔

بحثِ ایمان

ایمان کے لغوی معنی: ایمان یہ امن کے باب افعال کا مصدر ہے اس کا معنی ہے جھوٹ اور مخالفت سے محفوظ کرنا۔

ایمان کی اصطلاحی تعریف: کل پانچ جماعتیں ہیں (۱) محققین (امام ابو حنیفہ وغیرہ) کا کہنا ہے وہ چیزیں جس کو نبی لے کر آئے ان کی دل سے تصدیق کرنا (۲) محدثین: ایمان تصدیق قلبی، اقرار بالسان اور عمل بالجوارح تینوں کا نام ہے البتہ تصدیق قلبی ضروری ہے باقی دو اجزاء سے خوبصورتی اور قوت پیدا ہوگی۔

نوٹ: محدثین اور محققین کے مابین حقیقی اختلاف نہیں ہے بلکہ مقامی اختلاف ہے یعنی دونوں تصدیق قلبی کو ایمان کہتے ہیں لیکن محدثین کا مقابلہ مرجیہ سے ہوا تھا جو اعمال کو بیکار سمجھتے تھے اس لیے محدثین نے ایمان کی تعریف میں دو اجزاء بڑھائیں اور محققین کا اختلاف معتزلہ اور خوارج سے تھا جو تینوں چیزوں کو ضروری کہتے تھے اس لیے محققین نے یہ تعبیر اختیار کی۔

دلیل: الا من اکرہ وقلبہ مطمئن باالایمان یعنی جس کو مجبور کیا جائے کفر یہ کلمہ کہنے پر اور دل میں ایمان ہو تو وہ مومن ہے معلوم ہوا ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔

(۳) معتزلہ اور خوارج کا کہنا ہے کہ ایمان تصدیق قلبی، اقرار باللسان اور عمل باالجوارح تینوں کا نام ہے اور تینوں ضروری ہے ایک بھی فوت ہوگا تو ایمان نہیں رہے گا۔

دلیل: لا ایمان لمن لا امانۃ جیسی حدیثیں۔ دیکھیے ایک جز یعنی عمل بالجوارح نہیں پایا گیا تو ایمان بھی نہیں رہا۔

رد: یہاں ناقص کو کامل کے درجے میں اتارا گیا ہے حقیقت میں ایمان سے نکلنا مراد

نہیں ہے ورنہ وان زنیٰ وان سرق والی حدیث کا کیا جواب دیں گے؟

(۴) کرامیہ کا کہنا ہے کہ ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے۔

دلیل: حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ اس شخص کے ایمان کا فیصلہ کرتے تھے جو زبان سے کلمۂ شہادت کہے۔

جواب: قرآن مجید تو صرف زبان سے اقرار کرنے والوں کو کافر کہہ رہا ہے ومن الناس من يقول اٰمنا بالله وباليوم الاخر وما هم بمؤمنين نیز صحابہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس طرح زبان سے اقرار کرنے والے کو مومن کہتے اسی طرح بعض اقرار کرنے والوں کو منافق کہتے تھے پس معلوم ہوا حقیقی ایمان کے لیے محض زبان سے اقرار کرنا کافی نہیں ہے۔

(۵) جہمیہ کا کہنا ہے کہ ایمان صرف جاننے کا نام ہے نہ کہ ماننے کا۔

جواب: قرآن کہہ رہا ہے يعرفونه كما يعرفون ابناءهم یعنی یہودی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ جانتے تھے پھر بھی ان کو مومن نہیں کہا پس معلوم ہوا ایمان صرف جاننے کا نام نہیں ہے۔

بحثِ زیادتِ ایمان

یعنی کیا ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے؟ یا نہیں

کل دو جماعتیں ہیں ٭محققین ٭محدثین وغیرہ

(۱) محققین جیسے امام ابوحنیفہ وغیرہ کا نظریہ ہے کہ نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی ہاں کیفیت ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

دلیل: ایمان کہتے ہیں جتنی چیزیں شریعت نے دی ہے اس کی دل سے تصدیق کرنا پس اگر نفس ایمان میں اضافہ مانیں گے تو مطلب ہوگا آپ شریعت میں اضافہ کر رہے ہیں اور یہ تو بدعت ہے۔

اسی طرح اگر نفس ایمان میں کمی مانیں گے تو مطلب ہوگا کہ آپ بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر نہیں یہ تو غلط ہے۔

(۲) محدثین وغیرہ کا نظریہ ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

دلیل: باری تعالیٰ کا فرمان ہے واذا تلیت علیھم ایا تہ زادتھم ایمانا یعنی جب مومنین پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے معلوم ہوا ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

جواب: یہ نفس ایمان میں اضافہ نہیں ہوا بلکہ کیفیت ایمان میں اضافہ ہوا ہے۔

ملحوظہ: درحقیقت محدثین اور محققین کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے اس لیے کہ محدثین بھی قائل ہیں اس بات کے کہ نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور محققین قائل ہیں اس بات کے کہ کیفیت ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

سوال: پھر اتنا بڑا اختلاف کیوں وجود میں آیا؟

جواب: محققین نے معتزلہ اور خوارج سے مقابلے کی وجہ سے صرف تصدیق قلبی کی تعبیر اختیار کی تھی جس کی بناء پر کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ محققین اعمال کو بے کار سمجھتے ہیں حالاں کہ یہ بات سراسر غلط تھی اس لیے کہ محققین میں خاص کر حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اعمال سے بھری پڑی ہے۔

بحث دخول اعمال فی الایمان

کل تین جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ اور خوارج * مرجیہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ اعمال حقیقی ایمان میں داخل نہیں ہے ہاں کمال ایمان میں داخل ہے یعنی عمل نہ ہونے سے وہ حقیقی مومن تو رہے گا مگر مومن کامل یعنی پہلے پہل جنت میں داخل ہونے والا نہ رہے گا۔

دلیل: (۱) ان الذین امنوا وعملو الصلحٰت اس آیت کریمہ میں واو مغایرت کے لیے ہے جو دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہے۔

(۲) قرآن مجید اور احادیث میں اعمال نہ کرنے والوں کو مومن کہا گیا ہے جیسے وان زنیٰ وان سرق والی حدیث۔

(۲) معتزلہ اور خوارج کا نظریہ ہے کہ اعمالِ حقیقی ایمان میں داخل ہے یعنی اگر عمل نہیں رہا تو ایمان بھی نہیں رہا۔

دلیل: لا ایمان لمن لا امانۃ لہ دیکھیے امانت والا عمل نہیں رہا تو حقیقی ایمان بھی نہیں رہا۔

جواب: اس حدیث میں کمال ایمان کی نفی ہے نہ کہ حقیقی ایمان کی، دلیل وان زنی وان سرق والی حدیث ہے۔

(۳) مرجیہ کا نظریہ ہے کہ اعمال نہ حقیقی ایمان میں داخل ہے نہ ایمان کامل میں یعنی گناہ کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

دلیل: حدیث پاک ہے من کان یومن باللہ والیوم الاخر دخل الجنۃ۔

جواب: اس حدیث میں دخولِ اولی مراد نہیں بلکہ اگر گناہ کیے ہیں تو صفائی کے بعد داخل ہونا مراد ہے نیز اگر اعمال بیکار ہیں تو فضائل اور وعید بیان کرنے کا کوئی مطلب نہیں رہا۔

بحث اتحادِ اسلام و ایمان

یعنی اسلام اور ایمان ایک ہے یا الگ الگ؟ اس بات میں تو سب کا اتفاق ہے کہ ایمان اور اسلام مفہوم کے اعتبار سے الگ الگ ہے اس لیے کہ اسلام کا مفہوم ظاہری فرماں برداری ہے اور ایمان کا مفہوم باطنی فرماں برداری ہے۔

اختلاف مصداق کے اعتبار سے ہے یعنی ایک دوسرے پر صادق آنے کے اعتبار سے۔

کل دو جماعتیں ہیں * پہلی جماعت کا کہنا ہے کہ دونوں ایک ہیں۔

دلیل: فاخرجنا من کان فیھا من المومنین فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین یعنی ہم نے لوط کی بستی میں سے مومنین کو نکالنا چاہا پس ہم نے مسلمین کے صرف ایک گھر کو پایا۔ دیکھیے اس آیت کریمہ میں جس کو مومن کہا اسی کو مسلم کہا۔

* دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں۔

دلیل: (۱) قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا دیکھیے اس آیت کریمہ میں دیہاتیوں کو مسلم تو کہا مگر مومن نہیں۔

جواب: ہمارا اور آپ کا اختلاف شرعی اسلام میں ہے جب کہ آیتِ کریمہ میں لغوی اسلام کی بات ہے اس لیے دلیل درست نہیں ہے۔

دلیل: (۲) جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اسلام کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ان تشھد ان لاالہ الااللّٰہ وان محمدا رسول اللّٰہ ویقیم الصلوٰۃ وتؤتی الزکوۃ وتصوم رمضان وتحج البیت دیکھیے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام اعمال کا نام ہے نہ کہ تصدیق قلبی کا پس اسلام اور ایمان دونوں الگ الگ ہوئے۔

جواب: اس حدیث پاک میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تعریف نہیں کی ہے بلکہ علامتیں بیان کی ہے اسی لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا تو یہی جواب عنایت فرمایا، معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان اور اسلام کی تعریف نہیں کررہے ہیں۔

قولِ فیصل: صحیح بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ بندوں کے لیے ایمان اور اسلام ایک ہے اس لیے کہ بندوں کو کسی کے دل کا حال معلوم نہیں ہے پس وہ جس کو ظاہر میں اعمال کرتا ہوا دیکھیں گے اس کو مومن بھی کہیں گے ہاں اللہ تعالیٰ کے لیے دونوں الگ الگ ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دل کا حال بھی جانتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ بندہ مسلم ہے مگر مومن نہیں۔

بحث استثناء اہل ایمان

یعنی وہ بندہ جو فی الحال مومن ہو وہ انا مومن حقا کہے یا انا مومن ان شاء اللہ کہے۔

کل تین جماعتیں ہیں * اشاعرہ * ماتریدیہ * صاحب کفایہ

(۱) اشاعرہ کا نظریہ ہے کہ انا مومن حقا کہنا مکرہ ہے بلکہ اس کو چاہیے کہ وہ انا مومن انشاء اللہ کہے۔

دلیل: ایمان اور کفر میں اعتبار خاتمے کا ہے اور اس کا علم کسی کو نہیں ہے، اس لیے اس کے لیے بہتر ہے کہ اس معاملے کو اللہ کے حوالے کردے۔

(۲) ماتریدیہ کا نظریہ ہے کہ وہ انا مومن حقاً کہے اس کے لیے انا مومن ان شاء اللہ کہنا مناسب نہیں ہے۔

دلیل: صحابہ کرام اور اسلاف انا مومن حقاً کہتے تھے پھر کیسے مکروہ ہوسکتا ہے؟ نیز انا مومن ان شاءاللّٰہ کہنا سامنے والے کے دل میں شک پیدا کرتا ہے اس لیے مناسب نہیں ہے۔

(۳) صاحب کفایہ: انا مومن ان شاءاللّٰہ کہنا جائز نہیں۔ دلیل دی ہے کہ جس طرح انا شاب ان شاءاللّٰہ کہنا جائز نہیں ہے اسی طرح انا مومن ان شاءاللّٰہ کہنا بھی جائز نہیں ہے۔

جواب: دلیل درست نہیں ہے اس لیے کہ ایمان اختیاری عمل ہے اور جوانی غیر اختیاری۔

قول فیصل: سچ بات یہ ہے کہ ماتریدیہ نے حال کا اعتبار کیا ہے اس لیے انا مومن حقاً کہنے کو درست قرار دیا، اشاعرہ نے مستقبل کا اعتبار کیا اس لیے انا مومن حقا کہنا مکروہ سمجھا۔

بحثِ رسالت

دعویٰ: رسول کو بھیجنا انسانیت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور انسانیت پر بہت بڑی رحمت ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کو جاننا بغیر رسالت کے ناممکن ہے اس لیے کہ عقل انسان کو وہاں تک نہیں پہنچا سکتی۔

دعویٰ: رسول بشر ہوتا ہے۔

دلیل: باری تعالیٰ کا فرمان ہے قل انما انا بشر مثلکم یعنی میں تمہاری طرح ہی ایک بشر ہوں ہاں نبی عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقام کچھ اور ہی ہوتا ہے

جیسے یاقوت پتھر ہی کی جنس ہے لیکن عام پتھروں کی طرح نہیں ہے۔

بریلویوں کا دعویٰ: حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باعتبار ذات کے نور ہیں۔

دلیل: باری تعالیٰ کا فرمان ہے قد جاء کم من اللّٰہ نور و کتٰب مبین اس آیت کریمہ میں نور سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مراد ہے۔

جواب (۱) آیت کریمہ میں نور سے قرآن مجید مراد ہے کیوں کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مراد ہوتی تو یھدی بہ اللّٰہ میں تثنیہ کی ضمیر لاتے۔

(۲) ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن اور احادیث کے ذخیرے میں لفظ نور قرآن مجید کے لیے استعمال ہوا ہے جیسے واتبعوا النور الذی انزل معہ اور جیسے فاٰمنوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا۔

(۳) بخاری شریف میں باب الاستخلاف کے تحت ۷۲۱۹ نمبر کی حدیث ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو وفات پا گئے مگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے ایک نور رکھا ہے جس کے ذریعے تم راہ پاؤں گے اسی نور کے ذریعے اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راہ دکھائی تھی۔

بریلویوں کی دلیل: (۲) حدیث پاک ہے ان اول ما خلق اللّٰہ نوری یعنی حضور فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔

جواب: یہ حدیث موضوع ہے (گھڑی ہوئی ہے)۔

بحثِ معجزہ وکرامت

یعنی اللہ تعالیٰ نبیوں اور ولیوں کی تائید کے لیے ان ہونی چیزیں ان کے ہاتھوں ظاہر

کرواتا ہے جس سے لوگوں کو علم عادی حاصل ہوتا ہے۔

خلاف عادت ظاہر ہونے والی چیزیں: (۱) معجزہ: یعنی وہ خلاف عادت چیز جو اللہ تعالیٰ مدعیٔ نبوت کے ہاتھ پر ظاہر کرے۔

(۲) کرامت: یعنی وہ خلاف عادت چیز جو اللہ تعالیٰ کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر کرے۔

(۳) استدراج: یعنی وہ خلاف عادت چیز جو کسی برے انسان کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور اس کی غرض کے موافق ہو۔

(۴) اہانت: یعنی وہ چیز جو کسی برے انسان کے ہاتھ پر ظاہر ہو مگر اس کے مقصد کے خلاف ہو جائے جیسے مسیلمہ کذاب نے پانی میں کلی کی پانی کڑوا ہو گیا جب کہ اس کا مقصد پانی کو میٹھا کرنا تھا۔

(۵) معونت: یعنی وہ خلاف عادت چیز جو عام مسلمان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ ظاہر کرے۔

معجزہ اور کرامت کے بارے میں عقیدہ: اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ معجزہ اور کرامت نبی اور ولی کے اختیار میں نہیں ہے جب اللہ چاہے تب ظاہر ہوتے ہیں۔

دلیل: (۱) باری تعالیٰ کا فرمان ہے وما کان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن اللّٰہ یعنی کوئی نبی اللہ کی چاہت کے بغیر کوئی نشانی نہیں لا سکتا۔

(۲) درحقیقت معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی تائید کے لیے ان کے ہاتھوں ظاہر کرواتا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات: (۱) قرآن مجید (۲) امی قوم کو زوال اور پستی سے نکال کر بام عروج بخشنا وغیرہ وغیرہ۔

بحثِ ختم نبوت

دعویٰ: سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

دلیل: جنت کو حضرت آدم علیہ السلام اور حوّا رضی اللہ عنہا کے لیے دار التکلیف بنایا گیا اور بذریعہ وحی امر ونہی کی گئی ظاہر ہے کہ جس کو دار التکلیف میں بذریعہ وحی امر ونہی کی جائے وہ نبی ہوتا ہے۔

دعویٰ: اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ ہے کہ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم خاتم النبیین ہیں آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد کسی کو کسی کا نبی نہیں بنایا جائے گا۔

دلیل: (۱) باری تعالیٰ کا فرمان ہے ما کان محمدابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین چودہ صدی کے مفسرین نے تفسیر کی ہے لا ینبا بعدہ احد سے یعنی آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا۔ (کشاف ص ۲۳۹، ج ۳)

(۲) حدیث پاک ہے انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ (ابوداؤد ص ۵۸۴)

(۳) حدیث پاک ہے انا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی یعنی میں آخری ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (مسلم شریف ص ۲۶۲، ج ۲ / ترمذی ص ۱۱۱، ج ۲)

دعویٰ قادیانی: آں حضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد غلام احمد ظلی نبی ہے نہ کہ حقیقی نبی۔

دلیل: (۱) قرآن مجید اور احادیث میں جہاں کہیں لا نبی آیا ہے مراد اس سے حقیقی اور کامل نبی کی نفی ہے نہ کہ ناقص ظلی نبی کی۔

جواب: لا کے دو معنیٰ آتے ہیں (۱) مطلق نفی اور یہ اس کے حقیقی معنیٰ ہے (۲) کمال کی نفی اور یہ مجازی معنیٰ ہے آپ مجازی معنی لے رہے ہیں، قرینہ کیا ہے؟

دلیل: (۲) ہم دنیا میں کسی مفسر کو خاتم المفسرین کہتے ہیں اس کے بعد بھی کوئی بڑا

مفسر پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح خاتم النبیین کہنے کے بعد کوئی نبی پیدا ہو سکتا ہے۔

جواب: ہمارا علم تو ناقص ہے اس لیے بات بدلتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا علم تو کامل ہے۔اس نے خاتم النبیین کہا ہے پھر بھلا کیسے تبدیلی ہو سکتی ہے؟

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے پہلے نازل ہونا اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین نہیں ہیں۔

جواب: خاتم النبیین کا مطلب چودہ صدی کے مفسرین اور محدثین نے بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے نبی بنائے گئے ہیں۔

نوٹ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمانے کے بعد مقاما نبی ہی ہوں گے عملاً شریعت محمدی کی اتباع کریں گے جیسے کسی ملک کا وزیر اعظم کسی دوسرے ملک میں چلا جائے تو وہ مقام کے اعتبار سے تو وزیر اعظم ہی ہوتا ہے البتہ اسے اس ملک کے قوانین پر چلنا ہوتا ہے۔

بحثِ مہدی

حضرت مہدی کا نام: محمد والد کا نام: عبداللہ لقب: مہدی ہے حضرت حسن کی نسل سے ہوں گے۔

سوال: حضرت مہدی کا ظہور کب ہوگا؟

جواب: کسی خلیفہ کے انتقال کے وقت خلافت کے معاملے میں شدید اختلاف ہوگا اس وقت حضرت مہدی مدینہ منورہ سے نکل کر مکہ مکرمہ چلے جائیں گے لوگ حضرت

مہدی کو وہاں سے لے جا کر رکن اور مقامِ ابرہیم کے درمیان ان سے بیعت کریں گے۔ (ابوداؤد شریف عن ام سلمہ حدیث ۴۲۸۶)

سوال: حضرت مہدی کے کارنامے کیا ہوں گے؟

جواب: جب حضرت مہدی کے ظہور کی خبر سفیانی بادشاہ کو ملے گی تو شام سے حضرت مہدی کے خلاف لشکر بھیجے گا لیکن وہ لشکر مقام بیداء میں دھنسا دیا جائے گا ایک شخص بچ کر اس کی خبر سفیانی کو دے گا وہ لشکر کشی کرے گا اور قبیلۂ بنو کلب کے لوگ سفیانی کا تعاون کریں گے مگر سب شکست کھائیں گے یہ آپ کا پہلا کارنامہ ہوگا۔ (ابوداؤد شریف عن ام سلمہ حدیث ۴۲۸۶)

آپ کا دوسرا کارنامہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ اہلِ روم (یورپین) مقام اعماق یا دابق میں پڑاؤ ڈالیں گے اس سے جنگ کرنے کے لیے مدینہ سے ایک لشکر روانہ ہوگا جو اس وقت روئے زمین پر سب سے بہتر ہوگا۔ (جنگ کی وجہ یہ ہوگی کہ کچھ اہلِ روم مسلمان ہوکر حضرت مہدی کے لشکر میں جاملیں گے رومیوں کا مطالبہ ہوگا کہ وہ مسلمان ہمیں واپس کردو لیکن ان کا مطالبہ قبول نہیں کیا جائے گا) اور ایک تہائی شہید ہوجائے گا یہ اللہ کے نزدیک افضل ترین شہداء ہوں گے اور ایک ثلث کو اللہ فتح عطا کرے گا یہ حضرت مہدی کا دوسرا کارنامہ ہوگا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے مسلم شریف حدیث ۲۸۹۷)

حضرت مہدی کا تیسرا کارنامہ: حضرت مہدی کا یہ لشکر قسطنطنیہ (استنبول) فتح کرے گا، مال غنیمت تقسیم کرکے تلواریں زیتون کے درخت پر لٹکا کر بیٹھے ہوں گے

کہ اچانک شیطان ان کے درمیان آکر چیخے گا کہ دجال تمہارے پیچھے تمہارے گھروں پر آچکا ہے پس یہ لشکر ملک شام کی طرف روانہ ہوگا یہ خبر بظاہر جھوٹی ہوگی مگر جب یہ لشکر شام پہنچے گا تو دجال نکل چکا ہوگا حضرت مہدی فجر کی نماز پڑھانے کے لیے مصلے پر آچکے ہوں گے کہ اسی وقت عیسی علیہ السلام نزول فرمائیں گے حضرت عیسی علیہ السلام کو دیکھتے ہی مہدی پیچھے ہٹنے لگیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے آگے بڑھیے اور نماز پڑھایئے اس لیے کہ آپ کے لیے اقامت کہی گئی ہے ۔(تفصیل کے لیے دیکھیے ابن ماجہ حدیث ۴۰۷۷)

حضرت مہدی کی وفات: حضرت مہدی ظہور کے ۹ سال بعد انتقال فرمائیں گے گویا اتنے بڑے بڑے کارنامے صرف نوسال میں انجام دیں گے۔(ابوداؤد۔ ۴۲۸۶)

بحثِ عددِ انبیاء

دعویٰ: انبیاء کی تعداد متعینہ طور پر بیان نہیں کر سکتے مثلاً کوئی کہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے تو یہ ٹھیک نہیں ہے بلکہ کم وبیش ۱۲۴۰۰۰ کہے۔

دلیل: (۱) باری تعالیٰ کا فرمان ہے منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك (مومن ۷۸) یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کچھ انبیاء کا ذکر کیا ہے اور کچھ کا نہیں پس جب متعینہ طور پر حضور ہی کو نہیں معلوم تو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں؟

(۲) عدد کے باب میں جتنی بھی روایات ہیں وہ خبرِ واحد ہیں اور خبرِ واحد ظنی ہوتی ہے اور دلیلِ ظنی عقائد میں کافی نہیں ہوتی خصوصاً اس وقت جب روایات مختلف ہو۔

(۳) عدد کو متعین کرنے سے نبی کا غیر نبی ہونا یا غیر نبی کا نبی ہونا لازم آتا ہے۔

بحثِ عصمتِ انبیاء

کل دو جماعتیں ہیں* اہلِ سنت والجماعت * حشویہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ انبیاء کفر سے مطلقاً اور عمداً کبائر سے معصوم ہیں۔

دلیل: (۱) باری تعالیٰ کا فرمان ہے لیغفرلک اللّٰہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر (۲) اگر انبیاء کفر اور کبائر سے معصوم نہیں ہوگے تو لوگ ان کی باتیں قبول نہیں کریں گے۔

(۲) حشویہ کا نظریہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام عمداً کبائر سے معصوم نہیں ہیں (یعنی جان بوجھ کر انبیاء کبائر کر سکتے ہیں)

دلیل: فعصیٰ ادم ربہ فغوی یعنی آدم نے اپنے رب کی بڑی نافرمانی کی۔

جواب: حضرت آدم علیہ السلام سے گناہ کبیرہ صادر نہیں ہوا بلکہ لغزش ہوئی اور لغزش کہتے ہیں اچھی نیت سے کام کرنا، مگر انجام کا برا ہو جانا حضرت آدم علیہ السلام کی نیت تھی کہ اس درخت میں سے کھا کر ہمیشہ اللہ کے قریب رہوں گا۔

سوال: جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے لفظ عصیان جو کہ بڑی نافرمانی کے لیے استعمال ہوتا ہے کیوں استعمال کیا؟

جواب: (۱) جب کسی بڑے مقام کے حامل شخص سے لغزش بھی ہو جاتی ہے تو وہ گناہ سمجھی جاتی ہے محبت اور قرب کے تقاضے کی وجہ سے۔

جواب (۲) اللہ رب العزت کو حق ہے کہ وہ لغزش پر بھی عصیان کا لفظ کہے یہ اس کا پیار ہے ہما شما کے لیے کوئی حق نہیں ہے کہ بڑے متکلم کے لفظ کو پڑھ کر کسی بڑی شخصیت کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے، جیسے آں حضرت ﷺ کسی کو حمار کہہ

دے تو امتی کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بھی اس بڑی ہستی کو حمار کہنے لگے۔

حشویہ کی طرف سے سوال: ابھی آپ نے کہا انبیاء عمداً کبائر سے معصوم ہوتے ہیں یہ ہمیں تسلیم نہیں ہے ہمارے پاس اس کے خلاف تین مثالیں ہیں (۱) موسیٰ علیہ السلام سے ظلم کا صادر ہونا یعنی قبطی کو مار ڈالنا (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انی سقیم کے ذریعے جھوٹ بولنا جب کہ حضرت بیمار نہیں تھے (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خود بت توڑ کر بڑے بت کی طرف توڑنے کی نسبت کرنا۔

جواب: کل تین چیزیں ہیں (۱) لغزش جو گناہ نہیں ہوتی بلکہ اچھی نیت سے ہوتی ہے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لغزش ہوئی نہ کہ گناہ (۲) توریہ یعنی ایسا لفظ کہنا جس کے دو معنیٰ ہو، متکلم کچھ اور مراد لے رہا ہو اور مخاطب کچھ اور' یہ جھوٹ نہیں ہوتا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سقیم کا لفظ کہا جس کے دو معنیٰ ہیں (۱) جسمانی بیمار (۲) روحانی بیمار حضرت ابرہیم علیہ السلام دوسرا معنیٰ لے رہے تھے اور قوم پہلا معنی سمجھ رہی تھی (۳) ارخاء العنان: یعنی رسی ڈھیلی کرنا، داعی جب کسی غلط چیز کو ختم کرنا چاہتا ہے تو باطل کی غلط چیز کو بظاہر اپنا تا ہے اسے ''ارخاء العنان'' کہتے ہیں پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑے بت کی طرف نسبت ارخاء العنان کے طور پر کی تھی تا کہ قوم سوچ سکے کہ جو بت کچھ نہیں کر سکتا ہے وہ ان کے کیا کام آ سکتا ہے۔ اس لیے نصوص میں جہاں کہیں انبیاء کی طرف معصیت محسوس ہو وہاں ان تینوں چیزوں کے ذریعے تاویل کریں گے۔

سوال: میدانِ محشر میں جب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس شفاعت کے لیے جائیں گے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے مجھ سے تین جھوٹ صادر

ہوئے ہیں پس اس سے معلوم ہوا کہ نبی سے کبیرہ صادر ہوسکتا ہے۔

جواب: یہی تو نبی کی شان ہے کہ معمولی لغزش یا تو ریہ صادر ہوا پھر بھی جھوٹ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے ڈر رہے ہیں یعنی خوف خدا میں ایک معمولی چوک کو یا جائز عمل کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں۔

سوال: جب سارے انبیاء معصوم تھے تو صرف نبی پاک ﷺ کے لیے عصمت کا اعلان کیوں کیا؟

جواب: علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ شفاعتِ کبریٰ کے لیے آں حضرت ﷺ کو آگے بڑھا سکے۔

سوال: عصمت کسے کہتے ہیں؟

جواب: گناہ کی صلاحیت کے باوجود گناہ سے اللہ بچالے اسے عصمت کہتے ہیں۔

دعویٰ: نبیوں میں سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں۔

دلیل: کتب صحاح میں حدیث موجود ہے انا سید ولد اٰدم ولا فخر یعنی میں تمام انسانیت کا سردار ہوں اسی طرح ایک اور حدیث ہے ومامن نبی یومئذٍ اٰدم فمن سواہ الا تحت لوائی یعنی کوئی بھی نبی ہو خواہ آدم علیہ السلام یا اس کے سوا، قیامت کے دن میرے جھنڈے تلے ہوگے۔

بحثِ ملائکہ

کل تین جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * مشرکین * یہودی

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہے اور معصوم ہیں۔

دلیل: باری تعالیٰ کا فرمان ہے لا یعصون اللّٰہ ما امرھم **نیز** وانا لنحن الصافون۔

(۲) مشرکین کا نظریہ ہے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

دلیل: کوئی دلیل نہیں ہے صرف اٹکل باتیں ہیں۔

(۳) یہودیوں کا نظریہ ہے کہ فرشتے اللہ کی مخلوق تو ہیں مگر معصوم نہیں ہیں ان سے کفر اور کبیرہ صادر ہوا ہے۔

دلیل: (۱) ابلیس ملائکہ میں سے تھا اور اس نے کفر کیا۔

جواب: ابلیس ملائکہ میں سے نہیں بلکہ جن میں سے تھا سورۃ کہف میں ہے کان من الجن۔

دلیل (۲) ہاروت و ماروت ملائکہ میں سے تھے ان سے زنا اور کفر صادر ہوا اسی لیے ان کو مسخ کے ذریعے اللہ نے سزا دی۔

جواب: نہ ہی تو کفر صادر ہوا اور نہ ہی کبیرہ اور نہ ان کو سزا دی گئی یہ سب یہودیوں کے مَہا جھوٹ میں سے ہے، زہرہ ستارے کا جو واقعہ کتابوں میں منقول ہے امام رازی کے بقول موضوع ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ہاروت اور ماروت کو دنیا میں کیوں بھیجا؟

جواب: دو وجوہات ہوسکتی ہے (۱) یہودی حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہتے تھے اور الزام لگاتے تھے کہ سلیمان کی حکومت جادو کے بل پر ہے پس اللہ تعالیٰ نے ہاروت اور ماروت کو معجزہ اور جادو کے درمیان فرق بتانے کے لیے بھیجا ہو۔

(۲) یہودی غلام تھے آقا اور آقا نی ان پر ظلم کرتے تو اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے درمیان تفریق کروانے کے لیے ان دونوں کو بھیجا تا کہ یہودی ظلم سے بچ جائیں لیکن

اس منحوس قوم نے نجات دہندہ عمل کو دوسروں کو نقصان پہچانے کے لیے استعمال کیا۔

سوال: یہ بات تو طے ہے کہ ہاروت اور ماروت کفر سکھاتے تھے پس اس سے ان دونوں کا یا تو کافر ہونا یا مرتکب کبیرہ ہونا ثابت ہوا؟

جواب: مطلقاً سحر کی تعلیم کفر نہیں ہے۔

بحثِ کتب

دعویٰ: اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی چار آسمانی کتابیں اتاری اور یہ چاروں نفس کتاب میں برابر ہے البتہ قرآن مجید اس اعتبار سے افضل ہے کہ اس کی تلاوت سب سے زیادہ کی جاتی ہے یا پھر اس وجہ سے کہ تورات زبور اور انجیل اللہ کی کتابیں ہیں اللہ کا کلام نہیں ہے جبکہ قرآن مجید اللہ کا کلام اور کتاب ہے۔

جیسے تمام سورتیں نفس قرآن میں برابر ہے البتہ بعض بعض سے افضل ہے یا تو اس وجہ سے کہ اس میں اللہ کا ذکر زیادہ ہے یا اس کا مضمون نرالا ہے۔

بحث معراج

کل دو جماعتیں ہیں: * اہلِ سنت والجماعت * مشرکین وغیرہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت بلکہ تمام مومنین کا نظریہ ہے کہ معراج روح اور جسم کے ساتھ بیداری میں ہوئی ہے۔

دلیل: (۱) باری تعالیٰ کا فرمان ہے سبحٰن الذی اسری بعبدہ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گئی دیکھیے آیت میں عبد کا لفظ ہے اور عبد کا لفظ

روح مع الجسم پر بولا جاتا ہے یعنی پورے انسان پر نہ کہ صرف روح پر۔

(۲) اگر یہ سفر روحانی ہوتا نہ کہ جسمانی تو اتنے سارے لوگ اس کو سن کر مرتد نہ ہوتے اس لیے کہ روحانی سفر تو ہر کوئی کر سکتا ہے۔

(۲) مشرکین وغیرہ کا نظریہ ہے کہ یہ سفر جسمانی نہیں تھا بلکہ صرف ایک خواب تھا یعنی روحانی سفر تھا۔

دلیل: (۱) باری تعالیٰ کا فرمان ہے وما جعلنا الرؤیا التی ارینک دیکھیے اس آیت میں معراج کے سفر کو رؤیا یعنی خواب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب: رؤیا کی دو قسمیں ہیں (۱) رؤیا بالعین یعنی آنکھ سے ان ہونی چیز دیکھنا'

(۲) رؤیا بالقلب

اس آیت کریمہ میں ابن عباس کے بقول رؤیا بالعین مراد ہے (بخاری شریف)

دلیل (۲) ماں عائشہ سے روایت ہے کہ معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم گم نہیں ہوا یعنی جسم تو یہی تھا۔

جواب: ماں عائشہ کی منشاء یہ ہے کہ معراج کی رات آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم روح سے گم نہیں ہوا یعنی دونوں ساتھ تھے۔

حکم: اسراء یعنی بیت اللہ سے بیت المقدس تک کا سفر: اس کا منکر کافر ہے کیوں کہ یہ قرآن سے ثابت ہے۔

معراج یعنی بیت المقدس سے آگے تک کا سفر: نفس معراج کا منکر کافر ہے البتہ معراج کی تفصیل کا منکر گمراہ ہے کیوں کہ نفس معراج کا قدر مشترک متواتر ہے اور تفاصیل معراج خبر واحد سے ثابت ہے۔

بحثِ کرامت

کرامت کی تعریف: وہ خلاف عادت چیز جو اللہ تعالیٰ متبع سنت کے ہاتھ پر ظاہر کرے۔

کل دو جماعتیں ہیں: * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ کرامت برحق ہے۔

دلیل: (۱) باری تعالیٰ کا فرمان ہے حضرت زکریا علیہ السلام کی بات نقل کرتے ہوئے یا مریم انیٰ لک ھٰذا یعنی اے مریم! یہ بے موسم کے پھل کہاں سے آئے دیکھیے یہ حضرت مریم کی کرامت تھی۔

(۲) باری تعالیٰ کا فرمان ہے حضرت سلیمان کے ساتھی کی بات نقل کرتے ہوئے انا اٰتیک بہ قبل ان یر تد الیک طرفک یعنی میں بلقیس کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا یہ آصف ابن برخیا کی کرامت تھی۔

(۳) حضرت عمر کا منبر رسول پر بیٹھ کر نہاوند میں موجود لشکر کے امیر حضرت ساریہ کو پکارنا اور حضرت ساریہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کو سننا پانچ سو فرسخ کی دوری کے باوجود یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔

(۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ کرامت برحق نہیں ہے۔

دلیل: اگر کرامت کو برحق مانیں گے تو کرامت اور معجزہ میں خلط واقع ہوگا یعنی دونوں گڈمڈ ہو جائیں گے پس نبی اور غیر نبی کا فرق باقی نہیں رہے گا۔

جواب: کرامت کہتے ہی ہے اس خلاف عادت چیز کو جو ظاہر ہو اس شخص سے جو نبی کے امتی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو پس جب وہ خود نبی نہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو کیسے نبی

اور غیر نبی میں فرق نہیں رہے گا؟ یہاں تک کہ اگر یہ شخص نبی کے امتی نہ ہونے کا دعویٰ کرلے تو یہ کرامت ہی نہ ہوگی۔

معجزہ اور کرامت میں فرق: (۱) نبی کو اس بات کا علم ہونا ضروری ہے کہ وہ نبی ہے جب کہ ولی کو ولی ہونے کا علم ہونا ضروری نہیں۔

(۲) نبی معجزہ کو ظاہر کرنے کا قصد کرتا ہے جب کہ ولی کے قصد کے بغیر کرامت ظاہر ہوجاتی ہے۔

(۳) نبی کو اپنی سچائی کا یقین ہوتا ہے جب کہ ولی کو نہیں۔

بحثِ ترتیب خلافت

خلافت کی تعریف: دین کو قائم کرنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہج پر۔

نوٹ: اہلِ تشیع کے یہاں منصب امامت خاص ہے اور منصب خلافت عام ہے اسی لئے وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مانتے ہیں امام نہیں اس کے برخلاف اہلِ سنت کے یہاں منصب خلافت خاص ہے۔

خلافت بلافصل میں اختلاف: کل دو جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * اہلِ تشیع

اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں۔

دلیل: (۱) بخاری شریف میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک عورت جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کسی کام کے لیے آئی تھی اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آئندہ اگر تو مجھ کو نہ پائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جانا۔ (حدیث۔ ۷۲۲۰)

(۲) بخاری شریف ہی میں ماں عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مرض الوفات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے نامزد کرنا چاہا مگر پھر فرمایا کہ اللہ اور مومنین ابو بکر ہی کو خلیفہ بنائیں گے۔ (حدیث۔ ۷۲۱۷)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نامزد اس لیے نہیں کیا تاکہ بعد کے لوگ بغیر مشورے کے کسی کو نامزد نہ کردیں۔

(۳) اجماعِ صحابہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی مقدس جماعت نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کرلیا تھا حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ مہینے کے بعد بر سر عام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اس سے قوی دلیل اور کوئی نہیں ہوسکتی اس لیے کہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت کبھی بھی غلط کام پر اتفاق نہیں کرسکتی خاص کر حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا شیرِ خدا۔ (دیکھیے البدایہ والنھایہ)

ملحوظہ: اہلِ تشیع اس تیسری دلیل کو تسلیم نہیں کرتے' ان کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صرف چار صحابہ ایمان پر باقی تھے (۱) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ (۲) سلمان رضی اللہ عنہ (۳) مقداد رضی اللہ عنہ (۴) علی رضی اللہ عنہ باقی سب مرتد ہو گئے تھے اس لیے ہم مرتدین کا اجماع قبول نہیں کرتے۔

ہم ان شیعوں سے کہیں گے تم تو یہود اور نصاری سے بھی بدتر نکلے کیوں کہ یہ دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو افضل مان کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو کامیاب نبی مانتے ہیں جب کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسا گمان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محنت صرف چار پر ظاہر ہوئی گویا حضور ناکام نبی ثابت ہوئے۔

اہلِ تشیع کا نظریہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

دلیل: ابنِ ماجہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ے تھا من کنت مولاہ فعلی مولاہ یعنی میں جس کا سردار ہوں پس علی بھی اس کا سردار ہے دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سردار یعنی امام بنادیا تھا۔

جواب: آپ نے مولا کا ترجمہ سردار سے جو کیا ہے وہ غلط ہے تین دلیلوں کی وجہ سے (۱) شانِ ورود کی وجہ سے، وہ اس طرح کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ کچھ لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی عمل سے شکایت ہوگئی تھی جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ یہ غلط شکایت لوگوں کے دماغوں میں بدگمانیاں پیدا کر رہی ہے تب آپ نے غدیر خم میں یہ جملہ ارشاد فرمایا جس کا مطلب تھا، میں جس کو محبوب ہوں علی بھی اسے محبوب ہونا چاہیے۔(۲) سیاق وسباق سے یعنی اس جملے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ اے اللہ تو دوست بنا اس کو جو علی کو دوست بنائے اور تو دشمن بنا اسکو جو علی کو دشمن بنائے۔(۳) سامعین اول سے یعنی اس جملے کے اولین سامعین یعنی صحابہ رضی اللہ عنہ نے مولیٰ کا ترجمہ دوست سمجھا اگر سردار سمجھا ہوتا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کا مسئلہ ہی نہ چھیڑتے۔

دلیل (۲) تبوک کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بناتے ہوئے فرمایا تھا کہ جس طرح ہارون موسیٰ علیہ السلام کے نائب تھے اسی

طرح علی تو میرا نائب ہے۔ (ابن ماجہ)

جواب: اس واقعہ میں عارضی نیابت مراد ہے نہ کہ دائمی اس لیے کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے پہلے وفات پا گئے اس سے معلوم ہوا کہ یہاں تشبیہ عارضی نیابت میں ہے۔

بحث افضلیت ختنین

یعنی دو دامادوں (حضرت عثمانؓ اور علیؓ) میں سے کون افضل ہیں؟

کل تین جماعتیں ہیں (۱) حضرت علی افضل ہیں۔

دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔

(۲) توقف کیا جائے یعنی دونوں میں سے افضل کسی کو نہ مانا جائے۔

دلیل: توقف کی وجہ سے نہ تو کسی واجب میں خلل پیدا ہوگا نہ شریعت کا کوئی نقصان ہوگا۔

(۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور یہی رائے صحیح ہے۔

دلیل: صحابۂ کرام کی مقدس جماعت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیا ہے اب اگر توقف کریں گے تو صحابہ کو خطاوار ٹھہرانا لازم آئے گا۔

خلافت کی کیا شکل رہی؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت انصار اور مہاجرین کی اتفاقِ رائے سے طے پائی جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زندگی سے مایوس ہو گئے تو آپ نے انصار اور مہاجرین میں سے فنِ خلافت کے ماہرین کو جمع فرما کر مشورہ کیا سب کی اتفاق رائے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام طے پایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خط لکھوایا جس میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تاکید فرمائی حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک کہا کہ ہم عمر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی سے راضی نہیں ہوگے۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو اس فن کے ماہرین یعنی چھ افراد کے مشورے پر چھ میں سے کسی ایک کے لیے خلافت کو چھوڑ دیا۔ وہ چھ افراد یہ تھے (۱) عثمانؓ (۲) علیؓ (۳) عبدالرحمان بن عوفؓ (۴) طلحہؓ (۵) زبیرؓ (۶) سعد بن ابی وقاصؓ پھر ان میں سے پانچ نے حضرت عبدالرحمان ابن عوفؓ کو فیصل بنایا حضرت عبدالرحمان ابن عوف رضی اللہ عنہ نے فرداً فرداً ملاقات کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے پسند فرمایا پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو مہاجرین اور انصار کے کبار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک کی خلافت فن خلافت کے ماہرین کے مشورے کے بعد طے پائی ہے۔

شیعوں سے سوالات

سوال (۱) اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت امت سے انتشار کو ختم کرنے کے لیے کی تھی حقیقت میں تو علی رضی اللہ عنہ ہی حقدار تھے تو ہمارا سوال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر امت سے انتشار کو ختم کرنے کے لیے بیعت کیوں نہیں کی؟

سوال (۲) اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ناحق تھی ناجائز تھی تو اس میں ہونے والی تمام کاروائیاں ناجائز ہونی چاہیے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جنگ کی اور اس سے ایک باندی حاصل ہوئی جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحبت کی اور اس سے محمد ابن الحنفیہ پیدا ہوئے اب آپ بتائیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحبت کرنا جائز تھا؟ اگر جائز تھا تو خلافت بھی جائز ہوئی اور اگر ناجائز تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ معصوم نہ ہوئے اور محمد ابن الحنفیہ حرامی ہوئے۔

سوال (۳) اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت ناجائز تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہونے والی تمام کاروائیاں ناجائز ہونی چاہیے جب کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ایران کی جنگ سے ایک شہزادی حاصل ہوئی تھی اس سے صحبت کی اور اسی کے بطن سے علی زین العابدین جیسے متقی ولی پیدا ہوئے اب آپ بتائیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا صحبت کرنا اگر جائز تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی جائز ہے اور اگر ناجائز تھا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ معصوم نہ رہیں اور حضرت علی زین العابدین حرامی ہوئے۔

سوال (۴) حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو صلح کی تھی وہ درست تھی یا نہیں؟ اگر درست تھی تو آپ کو بھی حضرت امیر معاویہ کو امیر تسلیم کر لینا چاہیے تھا اور اگر درست نہیں تھا تو حضرت حسن معصوم نہ رہے۔

بحثِ مدتِ خلافت

یعنی خلافت کی مدت کتنی ہوگی؟

جواب: مسلسل تیس سال تک خلافت رہے گی اس کے بعد کبھی خلافت ہوگی کبھی نہیں

ہوگی۔

دلیل: حدیث پاک ہے الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم یصیر بعدھا ملکا عضوضا یہ حدیث بتلارہی ہے کہ مسلسل خلافت تیس سال رہے گی اس کے بعد کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی۔

اور ایک دوسری حدیث ہے کہ دین برابر قائم رہے گا یہاں تک کہ تم میں بارہ خلفاء ہوگے سب کے سب قریشی ہوگے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیس سال کے بعد بھی خلافت ہوگی، لیکن مسلسل نہیں ہوگی اور آخری خلیفہ حضرت مہدی ہوگے۔

نوٹ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امیر ضرور ہے مگر خلیفہ نہیں ہیں کیوں کہ آپ کے دور میں اقامت دین آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہج پر نہیں رہا اس کے خلاف حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ تھے مگر وہ اس کے باوجود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیروں کی دھول کے برابر بھی نہیں ہوسکتے۔

مشاجراتِ صحابہ

یعنی صحابہ کرام کے درمیان میں ہونے والے اختلافات۔

سب سے پہلے نزاع یعنی جھگڑا اور اختلاف کے مابین فرق سمجھنا ضروری ہے۔

* نزاع کہتے ہیں اس ٹکراؤ کو جو نفس وشیطان کی شرارت کی بنیاد پر ہو۔
* اختلاف کہتے ہیں اس ٹکراؤ کو جو اللہ کو راضی کرنے کی بنیاد پر ہو۔

پس اس فرق سے واضح ہوگیا کہ صحابہ کے درمیان ہونے والا ٹکراؤ نزاع نہیں بلکہ اختلاف تھا جس اختلاف نے ہمیں حق کی بنیاد پر آپس میں ٹکرانا سکھایا گویا صحابہ کے

اختلاف میں بھی رحمت ہے۔

اور وہ اختلاف یہ تھا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ قاتلین عثمان سے فوری طور پر قصاص لیا جائے تاکہ مفسدین کا زور ختم ہو جائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ پہلے تمام لوگ بیعت کر کے حضرت کو مضبوط کریں تاکہ امت میں سے انتشار اور مفسدین کا زور ختم ہو۔

بحثِ امامت

کل دو جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * اہلِ تشیع

(۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ (۱) مخلوق پر امام مقرر کرنا واجب ہے اگر امام مقرر کرنا ممکن ہو اس لیے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام مقرر نہ کرنے پر سخت وعید بیان فرمائی ہے (۲) یہ ہے کہ امام ظاہر ہو چھپا ہوا نہ ہو تاکہ لوگ اپنے مسائل حل کروا سکے۔ (۳) یہ ہے کہ جب قریشی اور غیر قریشی دونوں با صلاحیت ہو تو قریشی کو امام بنایا جائے اور اگر قریشی با صلاحیت نہ ہو تو با صلاحیت غیر قریشی کو بھی امام بنایا جا سکتا ہے۔ (۴) یہ ہے کہ قریشی میں سے بنو ہاشم اور اولادِ علی ہی ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہونا کافی ہے۔ (۵) یہ ہے کہ امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے (۶) یہ ہے کہ امام کا اہلِ زمانے میں سے افضل ہونا ضروری نہیں ہے (۷) یہ ہے کہ امام مکمل پاور (طاقت) رکھتا ہو (۸) فسق کی وجہ سے امام معزول نہیں ہوگا۔

(۲) اہلِ تشیع کا نظریہ ہے کہ (۱) اللہ پر امام مقرر کرنا واجب ہے اس لیے کہ امام مقرر کرنے سے امت کو فائدہ ہوگا اور بندوں کو فائدہ پہنچانا اللہ پر ضروری ہے۔

جواب: (۱) اگر امام مقرر کرنا اللہ پر ضروری ہوتا تو کوئی بھی زمانہ امام سے خالی نہ ہوتا جب کہ کچھ زمانے امام سے خالی رہے (۲) بیشک امام مقرر کرنا بندوں کے لیے سود مند ہے لیکن اس وقت جب امام ظاہر ہو آپ کے امام مہدی تو چھپے ہوئے ہیں؟ گویا تم نے خود ثابت کر دیا کہ اللہ نے بندوں کو فائدہ نہ پہنچا کر واجب ترک کیا۔

(۲) یہ ہے کہ امام ہاشمی یا علوی ہو۔

جواب: کہاں سے یہ شرط لے آئے حدیث پاک ہے الائمة من قریش اور قریش نذر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے نہ کہ صرف ہاشمی اور علوی کا۔

(۳) امام کا معصوم ہونا ضروری ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرا عہد یعنی امامت کی ذمہ داری ظالمین نہیں پائیں گے اور ظالم اسے کہتے ہیں جو معصیت کا ارتکاب کرے پس اس سے معلوم ہوا کہ امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

جواب: یہ ظالم کی تعریف کہاں سے لے آئے؟ کہ جو گناہ کرے وہ ظالم بلکہ اس آیت کریمہ میں ظالمین سے کفار مراد ہے نہ کہ مرتکب کبیرہ۔

(۴) امام کا اہلِ زمانے میں سے افضل ہونا ضروری ہے۔

جواب: افضلیت کی شرط ثابت کیجیے اسی لیے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امامت کا مسئلہ چھ کے درمیان چھوڑا حالاں کہ بعض بعض سے افضل تھا۔

(۵) امام فسق کی وجہ سے معزول ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ شیعہ ہر نماز کو مؤخر کرتے ہیں حضرت مہدی کے انتظار میں جب حضرت مہدی نہیں آتے تو فرداً فرداً پڑھ لیتے ہیں اس لیے کہ ان کے نظریہ کے مطابق تمام ائمہ فاسق ہیں سوائے مہدی کے۔

سوال: جب اہلِ سنت والجماعت کے یہاں امام فسق کی وجہ سے معزول نہیں ہوتا اس

سے بغاوت جائز نہیں ہے تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید سے بغاوت کیوں کی؟

جواب: (۱) اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ اگر امام فاسق ہو اور کوئی مجتہد یہ یقین کرتا ہو کہ وہ اپنی طاقت سے اس کو منصب امامت سے بغیر کسی شدید انتشار کے ہٹا سکتا ہے تو اس کے لیے بغاوت جائز ہے پس دونوں مجتہدین عزیمت کے پہلو پر عمل کرنا چاہتے تھے نہ کہ گنجائش اور رخصت کے پہلو پر عمل۔

خلاصہ یہ نکلا کہ حقیقت میں فاسق کو امام نہیں بنایا جاسکتا اور اگر بعد میں فاسق ہوا اور اس کا فسق علانیہ ہو تو معزول کیا جائے گا لیکن اگر انتشار کا خطرہ ہو تو مکروہ سمجھتے ہوئے اس کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

بحثِ حسنِ ظن بالصحابہ

اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ فرق مراتب کو باقی رکھتے ہوئے تمام صحابہ کا تذکرہ خیر سے کیا جائے اور صحابہ کے درمیان میں جو بھی اختلافات ہو اس کی بہتر سے بہتر تاویل کی جائے مثلاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام سے اختلاف اسی لیے ہوا تا کہ ہم اختلاف کرنا سیکھیں اختلاف کو جھگڑا اور نزاع تک نہ پہنچادیں پس کسی صحابی پر لعن طعن جائز نہیں ہے بلکہ اگر لعن طعن کرنے والا دلیل قطعی کا مخالف ہے تو کافر ہو جائے گا جیسے ماں عائشہ رضی اللہ عنہ پر تہمت لگانا اور اگر دلیل ظنی کا مخالف ہے تو بدعتی اور فاسق ہوگا۔

لعن کس پر جائز اور کس پر نا جائز

(۱) ایسے شخصِ معین پر لعن کرنا جس کا کفر پر مرنا دلیل سے ثابت ہو یہ لعن جائز ہے ۔جیسے فرعون، ابوجہل، اور ابلیس پر لعن کرنا۔

(۲) ایسے شخصِ معین پر لعن کرنا جس کا کفر پر مرنا معلوم نہ ہو یہ لعن جائز نہیں ہے۔

(۳) کسی غیر معین پر لعن کرنا یہ لعن جائز ہے جیسے لعن اللّٰہ علی الیھود ،لعن اللّٰہ الواشمات۔

سوال: یزید پر لعن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس باب میں کل دو جماعتیں ہیں (۱) علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللّٰہ علیہ کا نظریہ ہے کہ یزید پر لعن جائز ہے۔

دلیل: حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دینے کی وجہ سے یزید کافر ہو گیا تھا اور ضابطہ ہے کہ جس کا کفر پر مرنا یقینی ہو اس پر لعن جائز ہے۔

جواب: یزید کا حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دینا مختلف فیہ ہے ابن جریر طبری کی روایت کے مطابق یزید صرف حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت چاہتا تھا نہ کہ قتل نیز اگر یہ بات یقینی ہو جائے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تھا تب بھی یزید کافر نہیں ہوا اس لیے کہ قتل کا حکم دشمنی کی وجہ سے دیا تھا نہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مومن ہونے کی وجہ سے۔

(۲) یزید پر لعن کرنا مناسب نہیں ہے۔

دلیل: جب اس کا کفر پر مرنا یقینی نہیں ہے تو کسی مسلمان پر لعن کرنے کا کیا فائدہ؟ اور لعن نہ کرنے سے کوئی شرعی نقصان بھی نہیں ہے اس لیے توقف کرنا بہتر ہے۔

بحث مبشَّرہ

مسئلہ(۱) ہم اہلِ سنت والجماعت ان دس صحابہ رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں جن کو حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی حدیث میں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی ،آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ابوبکر جنتی ،عمر جنتی ،عثمان جنتی ،علی جنتی ،طلحہ جنتی ،زبیر جنتی ،عبدالرحمان بن عوف جنتی ،سعد بن ابی وقاص جنتی ،سعید ابن زید جنتی ،اورابوعبیدہ ابن الجراح جنتی ہیں (الحدیث) نیز ان صحابہ کرام کے جنتی ہونے کی بھی گواہی دیتے ہیں جن کو حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الگ الگ حدیث میں جنتی ہونے کی بشارت دی ہے مثلاً فاطمہ جنتی ،حسن وحسین جنتی ،خدیجہ جنتی ،عائشہ جنتی ،حمزہ جنتی ،ابنِ عباس جنتی ،جعفر طیار جنتی ،ام سلیم جنتی ،بلال مؤذن جنتی ،سعد ابن معاذ جنتی ،عبداللہ ابن سلام جنتی ،عمار بن یاسر جنتی ،سلمان فارسی جنتی ،ثابت ابن قیس جنتی ،اورصہیب رومی جنتی ۔

اہلِ تشیع کا نظریہ ہے کہ فاطمہ جنتی ،حسن وحسین جنتی ،علی ،عباس ،ابنِ عباس جنتی ،مقداد جنتی ،ابوذر جنتی اورسلمان فارسی جنتی اورباقی سب مرتد نعوذ باللہ۔

بحث مسح علی الخفین

مسئلہ(۲) ہم اہلِ سنت والجماعت سفر اور حضر میں خفین پر مسح کو جائز سمجھتے ہیں۔

دلیل: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا گیا مسح علی الخفین کے بارے میں تو حضرت نے فرمایا کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسافر کو تین دن اور تین رات اور مقیم کو ایک دن اور ایک رات رخصت دی ہے۔

اہلِ تشیع مسح علی الخفین کو جائز نہیں سمجھتے۔

دلیل: باری تعالی کا فرمان: وامسحوا برؤسکم وارجلکم یعنی تم پیروں کا مسح کرو پس جب پیروں پر مسح ہے تو خفین پر مسح کہاں سے آیا۔

جواب: (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے آیا لیکن تم تو نفس کی غلامی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی باتوں کا بھی انکار کر دیتے ہو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات معتبر نہیں ہے تو پھر کس کی ؟ آپ کے نفس کی؟ (۲) وارجلکم یعنی نصب والی قراءت کا کیا جواب دیں گے جب کہ جر والی قراءت کا ہمارے پاس جواب ہے وہ یہ ہے کہ پیروں پر پانی زیادہ مت گراؤ بلکہ مسح اور غسل کے درمیان کا راستہ اپناؤ۔

مسئلہ (۳) ہم اہلِ سنت والجماعت نبیذ تمر کو جب وہ نشہ آور نہ ہو حلال سمجھتے ہیں اس کے برخلاف روافض اس کو حرام سمجھتے ہیں اور دلیل دیتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے روک دیا تھا۔

جواب: یہ ہے کہ چوں کہ نبیذ ان مٹکوں میں بنائی جاتی تھی جو شراب کے ہوا کرتے تھے پس ابتدائے اسلام میں روک دیا گیا تا کہ مٹکے دیکھ کر شراب کی یاد تازہ نہ ہو جائے بعد میں اجازت دے دی گئی۔

بحث الحاد

مسئلہ (۴) ہم اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ ولی نبی کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا کیوں کہ نبی معصوم ہوتا ہے، برے خاتمے کے خوف سے محفوظ ہوتا ہے، وحی سے اس کو عزت بخشی جاتی ہے اور فرشتوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور سب سے بڑی بات کہ ولی میں جتنے کمالات ہوتے ہیں ان تمام کمالات سے متصف ہوتا ہے۔

کرامیہ: کا نظریہ ہے کہ ولی نبی سے افضل ہوسکتا ہے پس یہ کفر ہے۔

مسئلہ (۵) ہم اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ کوئی بھی انسان یقین یا عبادت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کو پہنچ جائے تب بھی وہ شریعت کا مکلف رہتا ہے یعنی اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب اس پر ضروری ہوتا ہے۔

دلیل: حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقین اور عبادت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کو پہنچ گئے تھے تب بھی آپ سے عبادات ظاہرہ ساقط نہیں ہوئی پھر آپ سے بڑھ کر کون بزرگ ہو سکتا ہے۔

اباحیین اور فرقۂ ذکریہ: کا نظریہ ہے کہ ایسے بندے سے عبادات ظاہرہ ساقط ہو جاتی ہے اور اس کی عبادت صرف ذکر و فکر ہوتی ہے بلکہ کبائر کے ارتکاب سے اس کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

دلیل: (۱) باری تعالیٰ خود فرماتے ہیں واعبد ربک حتی یاتیک الیقین یعنی جب یقین حاصل ہو جائے تو عبادت چھوڑ دو۔

جواب: یہاں یقین سے موت مراد ہے یعنی موت تک عبادت کرتے رہو۔

دلیل: (۲) حدیث پاک ہے کہ جب اللہ کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو گناہ اس کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

جواب: اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ گناہ کرے اور گناہ نقصان نہ پہنچائے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ گناہ اس کے قریب نہیں آتا، اللہ اس کو بچا لیتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ دشمن اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ دشمن مارے اور تکلیف نہ ہو بلکہ مطلب ہوتا ہے کہ دشمن اس سے دور رہتا ہے۔

ملحوظہ: آج بھی اس طرح کے جھوٹے پیر موجود ہیں جو نماز وغیرہ نہیں پڑھتے بلکہ زنا

تک کرتے ہیں اور لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہم اس مقام تک پہنچ چکے ہیں کہ اس کی وجہ سے شریعت ہم سے ساقط ہوگئی ہے۔

مسئلہ(٦) ہم اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ نصوص یعنی کتاب وسنت کو اس کے ظاہر پر یعنی حقیقی معنیٰ کی طرف پھیرا جائے گا جب تک اس سے پھیرنے کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو ہاں اگر قرینہ موجود ہو تو مجاز کی طرف پھیرا جائے گا۔

دلیل: ہر چیز میں اصل حقیقت ہوتی ہے نہ کہ مجاز۔

فرقۂ باطنیہ: (ملاحدہ، تحریف کرنے والے) کا نظریہ ہے کہ نصوص کے اندر باطنی معنیٰ ہوتے ہیں جس کو صرف معلم جانتا ہے مثلاً جنت سے حقیقی جنت نہیں بلکہ شریعت کی تکلیف سے بدن کو راحت پہنچانا مراد ہے اور نماز سے حقیقی نماز مراد نہیں بلکہ اللہ کی طرف مائل ہونا مراد ہے۔

فیصلہ: یہ سب کافر ہیں اس لیے کہ ان کا مقصد بالکلیہ شریعت کی نفی ہے اور بدیہی چیزوں کا انکار ہے۔

ملحوظہ: اپنی رائے سے تفسیر کرنے والے اور معنوی تحریف کرنے والے بھی ملحدین میں داخل ہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ تین چیزوں کو ملحوظ نہ رکھے (۱) شان نزول یا شان ورود (۲) سیاق وسباق (۳) سامعین اول یعنی صحابہ رضی اللہ عنہ کا فہم۔

نوٹ: جو شخص ان تین چیزوں کا خیال کرنے کے ساتھ اگر نصوص کے کچھ دقیق نقطے نکالتا ہے تو یہ تفسیر بالرائے نہیں ہے بلکہ یہ کمال عرفان ہے جیسے حدیث پاک ہے جس گھر میں کتا ہو اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے اس پر ارباب سلوک نے ایک

لطیف بات سمجھائی کہ کتا ایک گندگی ہے اس لیے گھر میں فرشتے نہیں آتے اسی طرح جس دل میں گندگی ہو یعنی حسد، کینہ، کبر، اس دل میں اللہ نہیں ہوتا۔

بحث نواقضِ ایمان

ناقص: (۱) نصوصِ قطعیہ کا انکار کفر ہے جیسے کوئی ماں عائشہ رضی اللہ عنہ پر زنا کی تہمت لگائے (۲) جب کسی چیز کا معصیت ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو گیا ہو تو اس معصیت کو حلال سمجھنا خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ کفر ہے جیسے کوئی شراب کو حلال سمجھے (۳) شریعت کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کا مزاق اڑانا کفر ہے مثلاً قصداً غیر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے (۴) اللہ کی رحمت سے مایوس اور اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا کفر ہے (۵) کاہن جو غیب کی خبریں دیتا ہے (غیب کے جاننے کا دعویٰ کرنے والا) اس کی تصدیق کرنا کفر ہے۔

نوٹ: اگر کوئی شخص علامت کے ذریعے غیب کی خبر کا مدعی ہو تو اس کی تصدیق کفر نہیں ہے۔

مسئلہ (۷) اہلِ سنت میں خاص کر اشاعرہ کا نظریہ ہے کہ معدوم خارج میں ثابت نہیں ہے پس وہ شئ نہیں ہے اس کے برخلاف معتزلہ کا نظریہ ہے کہ معدوم ممکن (اللہ تعالیٰ کے علاوہ) خارج میں ثابت ہے پس وہ شئ ہے۔

بحث ایصالِ ثواب

مسئلہ (۸) (۱) ہم اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ مردوں کو سب سے زیادہ زندوں کی دعاء سے پھر مالی عبادت سے اور سب سے اخیر میں بدنی عبادت (یعنی

قرآن، نماز، یا روزہ رکھ کر ثواب پہچانا) سے فائدہ پہنچتا ہے۔

دلیل: (۱) ترمذی شریف میں حدیث ہے کہ جس میت پر سو افراد (اخلاص سے) نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے۔

اسی طرح ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ جب اولاد ماں باپ کے لیے دعائیں کرتی ہیں تو ماں باپ کو فائدہ ہوتا ہے۔

(۲) ترمذی شریف میں ہے حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا کہ میری والدہ انتقال کر گئی ہے پس کونسا صدقہ افضل ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا پانی پس حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوایا۔

(۳) یاد رہے بدنی عبادت سے ایصال ثواب کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ بدنی عبادت کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا اس لیے کہ احادیث میں اس کا ذکر نہیں ہے جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں۔

دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگرچہ احادیث میں بدنی عبادت کا ذکر نہیں ہے لیکن جو علت یعنی ثواب یعنی مالی عبادت سے ثواب ملتا تھا وہ بدنی عبادت سے بھی ملتا ہے پس مالی عبادت سے ایصالِ ثواب میں جو علت ہے وہی علت بدنی عبادت کے ایصالِ ثواب میں پائی جارہی ہے۔

نوٹ: (۱) میت کو اسی دعا سے فائدہ ہوگا جو اللہ کو راضی کرنے کے لیے کی گئی ہو نیز جس جنازے میں میت کی نیکی کی وجہ سے شرکت ہوگی اس شرکت کا فائدہ ہوگا باقی میت کے رشتہ داروں کو دکھانے کی نیت سے ہو تو لاکھوں کی تعداد سے بھی فائدہ نہیں ہوگا۔

(۲) مالی عبادت سے ایصال ثواب کے لیے چند چیزوں کا خیال ضروری ہے۔

(۱) مال حلال ہو یعنی وارثین کو حق دے دیا ہو یا وارثین کی رضامندی ہو (۲) اللہ کو خوش کرنے کے لیے ہو نہ کہ معاشرے کو نیز معاشرے کے دباؤ کی وجہ سے نہ ہو جیسے آج کل مرنے کے بعد بیانات رکھے جاتے ہیں (۳) غریبوں کو جس کی ضرورت ہو وہ دی جائے اپنی طرف سے متعین نہ کریں مثلاً جانور ذبح کرنا، (۴) غریبوں کو جب ضرورت ہو تب دیا جائے دن متعین نہ کیا جائے۔

(۳) بدنی عبادت کے لیے چند چیزوں کا خیال ضروری ہے۔

(۱) اگر وہ عبادت انفرادی ہو تو اس کو اجتماعی نہ بنایا جائے جیسے آج کل کی قرآن خوانیاں (۲) بدنی عبادت کے بدلے میں کوئی عوض نہ لیا جائے نہ پیسہ نہ کھانا۔

(۳) فرد متعین نہ کیا جائے بلکہ ہر شخص پڑھے نہ صرف علماء اور طلباء (۴) دن متعین نہ کیا جاوے بلکہ ہر روز پڑھے۔

جماعت (۲) معتزلہ کا نظریہ ہے کہ زندہ کے کسی بھی عمل سے میت کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا میت کو صرف اس کی سعی کا فائدہ ہوتا ہے۔

دلیل: باری تعالیٰ کا فرمان ہے، لیس للانسان الا ما سعیٰ یعنی انسان کو صرف اسی کی سعی نفع دے گی۔

جواب (۱) آیت کریمہ میں سعی سے سعئ ایمانی مراد ہے نہ کہ سعئ اعمالی یعنی ایک کا ایمان دوسرے کے لیے نافع نہ ہوگا مگر اعمال تو نافع ہوں گے۔

(۲) آیت کریمہ کا تعلق عدل سے ہے اور ایصال ثواب کا فضل سے یعنی انصاف تو یہ ہے کہ ہر انسان کو اسی کی سعی کام آئے البتہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک کی سعی

دوسرے کو کام آئے گی۔

(۳) ایصال ثواب میں درحقیقت میت ہی کی سعی ہوتی ہے یعنی کوئی کسی کے لیے دعا یا مال کا صدقہ یا بدنی عبادت اسی وقت کرتا ہے جب میت نے اس پر محنت کی ہو پس ایصال ثواب میں میت ہی کی سعی کا ثواب پہنچتا ہے نہ کہ دوسرے کی۔

بحثِ دعاء

مسئلہ (۹) تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جب بندہ صدق دل سے اور حضورِ قلب سے اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کا فائدہ دنیا یا آخرت میں پہنچاتے ہیں۔

سوال: کیا کافر کی دعا اللہ قبول کرتا ہے؟

جواب: کل دو جماعتیں ہیں (۱) ایک جماعت کا کہنا ہے کہ کافر اگر اللہ سے مانگے تو اللہ اس کی سنتا ہے۔

دلیل: (۱) ابلیس نے اللہ سے مانگا رب انظر نی الی یوم یبعثون پس اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت دے دی۔ (۲) واذا رکبوا فی الفلک دعو اللّٰہ مخلصین یعنی جب مشرکین بھنور میں پھنس کر اللہ کو پکارتے ہیں تو اللہ ان کو نجات دیتا ہے۔

جماعت (۲) کافر کی دعا اللہ نہیں سنتا۔

دلیل: وما دعاء الکفرین الا فی ضلل یعنی کافرین کی دعاء بے کار ہے۔

جواب: اس آیت کا تعلق آخرت سے ہے یعنی جہنم میں پکاریں گے یا پھر اس آیت کا تعلق بتوں کو پکارنے سے ہے نہ کہ اللہ کو جب کہ ہمارا اور آپ کا اختلاف اللہ کو

پکارنے کے بارے میں ہے۔
فیصلہ کن بات یہ ہوئی کہ کافر اگر اللہ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بھی سنتے ہیں۔

دعا بعد نمازِ فرض

کل تین جماعتیں ہیں: ٭ بعض اہلِ حدیث کا نظریہ ہے کہ فرض نماز کے بعد دعاء مشروع نہیں ہے۔
(۲) فرض نماز کے بعد دعائیں ثابت ہیں مگر لوگ عملاً اس میں تین غلطیاں کرتے ہیں (۱) انفرادی کو اجتماعی بناتے ہیں (۲) اس کو اس طرح ضروری بناتے ہیں کہ نہ مانگنے والے پر نکیر کرتے ہیں (۳) بالاہتمام جہری دعا مانگتے ہیں۔
(۳) فرض نماز کے بعد دعائیں ثابت ہیں مگر انفرادی ہے اور ضروری نہیں ہے اور سری ہے ہاں اگر احیانا جہری اور اجتماعی دعا ہو جائے تو بدعت نہیں ہے یہ تیسرا نظریہ قرآن و سنت کے موافق ہے۔
دلیل اور رد: ترمذی اور سنن نسائی الکبری میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا ہے کہ کونسی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب عنایت فرمایا فرض نمازوں کے بعد اور رات کے آخری پہر میں۔

وسیلے کا مطلب

اگر بندہ براہِ راست اللہ سے بات کرے کہ اللہ فلاں عمل تجھے بہت محبوب ہے یا فلاں بندہ محبوب ہے اس کی محبت کے صدقے میرا کام بنادے یہ جائز بلکہ بہتر ہے اور اگر بندہ کسی بزرگ یا ولی سے بات کرے آپ میری عرضی اللہ تک پہنچا دیجیے کیوں کہ

آپ مقرب ہیں اور میں گنہگار ہوں تو یہ درست نہیں ہے۔

وسیلے کی تین قسمیں ہیں: وسیلہ بالعمل، وسیلہ بالحی، وسیلہ بالمیت، وسیلہ بالمیت میں اہلِ حدیث کا اختلاف ہے۔

دلیل: قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

جواب: اگر چہ ذکر نہیں ہے مگر علت تو پائی جارہی ہے اور وہ محبوبیت ہے۔ یعنی جس طرح وہ عمل محبوب تھا اسی طرح یہ شخصیت بھی محبوب ہیں۔

بحث نزولِ عیسیٰ

مسئلہ (۱۰) ہم اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کی جو بڑی بڑی علامتیں بتلائی ہیں وہ برحق ہیں مثلاً دھویں کا چھا جانا، خروج دجال، خروج دابہ، سورج کا مغرب سے نکلنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق کی جامع مسجد کے سفید منارے پر اترنا، یاجوج ماجوج کا نکلنا، تین زلزلوں کا آنا ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں تیسرا جزیرہ العرب میں، اور یمن سے ایک بڑی آگ کا نکلنا جو لوگوں کو مشرق کی جانب لے جائے گی۔

اس کے برخلاف قادیانی اور شکیلیوں کا نزول عیسیٰ علیہ السلام اور دجال شخص کے نکلنے کا انکار کرنا کفر ہے یا کم از کم گمراہی ہے یعنی ہم اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

دلیل: بل رفعه الله اليه ہے پھر قیامت سے پہلے مسیح دجال کو قتل کرنے کے لیے دمشق کی جامع مسجد کے سفید منارے پر نزول فرمائیں گے۔

دلیل: وانه لعلم للساعة جب کہ قادیانیوں کا کہنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے

اوران کا نزول کچھ نہیں ہوگا۔

دلیل: یا عیسی انی متوفیک ورافعک الی یعنی ہم عیسی کو وفات دیں گے پھر اپنی طرف اٹھائیں گے۔

جواب: (۱) سب سے پہلے تو بل رفعه اللّٰه کا جواب دیجیے جس میں فعل ماضی ہے جو ثابت کرتا ہے کہ اللہ نے اٹھالیا جب کہ آپ کی بیان کردہ دلیل میں اسم فاعل ہے جو مستقبل میں ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) حقیقت میں آپ کی بیان کردہ دلیل میں تقدیم وتاخیر ہے یعنی اللہ پہلے اٹھانے والے ہیں تاکہ یہودیوں سے نجات ملے اور وفات دینے والے ہیں تاکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نہ بنالے مگر چوں کہ عیسائیوں سے گفتگو ہورہی تھی اس لیے اللہ نے عیسائیوں کے عقیدے کی تردید میں متوفیک کو مقدم کردیا، اسی طرح شکیلیوں کا دجال کو انسان نہ ماننا دلیل قطعی کا انکار ہے، کیوں کہ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے اور اس کا خون جو تلوار پر لگا ہوگا وہ لوگوں کو دکھائیں گے۔

بحثِ تقلید

مسئلہ (۱۱) دعویٰ اہلِ سنت والجماعت: وہ مسائل جو قرآن اور سنت سے ثابت نہ ہو یا ثابت ہو مگر متعارض ہو ان مسائل میں کوئی مجتہد درستگی کو پہنچتا ہے اور کوئی خطاء کرتا ہے مثلاً انجکشن سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ یہ مسئلہ قرآن وسنت میں نہیں ہے، اسی طرح آمین سراً ہے یا جہراً؟ یہ احادیث میں ہے مگر متعارض ہے، پس کوئی مجتہد درستگی کو پہنچے گا کوئی خطاء کرے گا سب کے سب درستگی کو نہیں پہنچ سکتے۔

دلیل (۱) بخاری شریف میں ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حاکم جب اجتہاد کرتا ہے اور درستگی کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور اگر خطاء کرتا ہے تو اس کے لیے ایک اجر ہے، دیکھیے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجتہد کبھی خطاء کرتا ہے۔

دلیل: (۲) ہر چیز کا ایک ہی حکم ہوتا ہے اگر ہر مجتہد درستگی کو پہنچے تو ایک ہی چیز کے کئی حکم ہو جائیں گے۔

معتزلہ کا نظریہ ہے کہ وہ مسائل جو قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو یا ثابت ہو مگر متعارض ہو ان میں مجتہد ہمیشہ درستگی کو پہنچے گا۔

دلیل: اگر ہر مجتہد درستگی کو نہیں پہنچا ہے تو اس مجتہد کی تقلید کیسے درست ہوگی؟

جواب: کل دو چیزیں ہوتی ہیں ایک ہے کہ حقیقت میں درست ہونا اور ایک ہے عملاً درست ہونا، ہر مجتہد عملاً تو درست ہوتا ہے اسی لیے اس کی تقلید درست ہوتی ہے، مگر حقیقتاً درست ہو ایسا ضروری نہیں ہے جیسے چار بندوں پر قبلہ مشتبہ ہو گیا ہر ایک نے اجتہاد کر کے الگ الگ سمت میں نماز پڑھی تو عملاً چاروں کی نماز درست ہوگی اور ان کے پیچھے پڑھنے والوں کی بھی مگر حقیقتاً یعنی اللہ کی نظر میں کسی ایک ہی کی درست ہوگی۔

اہلِ حدیث کی طرف سے سوال: تقلید کرنے والے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر ائمہ کو مانتے ہیں۔

جواب: آپ حقیقت میں تقلید کا مطلب نہیں سمجھے ہیں تقلید کہتے ہیں قرآن اور سنت ہی کو ماننا مگر ایسے مسائل جو قرآن وسنت میں پیچیدہ ہو ان کو سمجھنے کے لیے کسی ماہر کا سہارا لینا یا کسی ماہر سے پوچھنا اور تقلید کا یہ طریقہ دورِ صحابہ سے چلا آرہا ہے مثلاً جب صحابہ رضی اللہ عنہ نے ولم یلبسوا ایمانھم بظلم یہ آیت سنی تو اس کا مفہوم سمجھ نہ سکے

حالاں کہ عربی داں تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا ،اسی طرح بخاری شریف میں ہے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک ابن مسعود جیسا بڑا عالم تم میں موجود ہو اسی سے مسائل دریافت کرلو اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں۔

سوال (۲) جب تقلید کسی ماہر فن سے پیچیدہ مسائل دریافت کرنے کا نام ہے تو صرف ایک ہی امام سے دریافت کرنا واجب کیوں ہے؟ صحابہ تو کسی بھی ماہر سے پوچھ لیتے تھے؟

جواب: قرآن مجید کہہ رہا ہے تو خواہشات کی پیروی نہ کر پس اگر کسی بھی ماہر سے دریافت کرنے کی اجازت دی جائے گی تو جس کی بات سہل ہوگی اس کو لے لیا جائے گا پس وہ اللہ کی نہیں بلکہ خواہشات کی پیروی کرے گا۔

نوٹ: وہ مسائل جو قرآن وسنت میں بالکل واضح ہو تو اس کو بیان کرنے کے بعد حوالہ قرآن وسنت کا دینا چاہیے۔اور جو مسائل قرآن وسنت میں نہیں ہے یا ہے مگر متعارض ہے ان کو بیان کرنے کے بعد کسی مجتہد کی بات کا حوالہ دے سکتے ہیں مگر تقلید کرنے والے یہ غلطی کرتے ہیں کہ واضح مسائل کو بیان کرنے کے بعد بھی شامی اور عالمگیری کا حوالہ دیتے ہیں۔

افضلیت عامۃ البشر علی عامۃ الملائکہ

کل دو جماعتیں ہیں * اہلِ سنت والجماعت * معتزلہ اور فلاسفہ

اہلِ سنت والجماعت کا نظریہ ہے کہ انسانوں کے رسول ملائکہ کے رسول سے اور عام انسان عام ملائکہ سے افضل ہیں۔

دلیل: (۱) اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے تعظیماً سجدے کا

حکم دیا تھا اور ضابطہ ہے کہ جس کی تعظیم کی جائے وہ تعظیم کرنے والے سے افضل ہوتا ہے۔ دلیل: (۲) باری تعالیٰ کا فرمان ہے ان اللّٰہ اصطفیٰ اٰدم و نوحا واٰل ابراھیم واٰل عمران علی العٰلمین یعنی اللہ تعالیٰ نے آل ابراھیم اور آل عمران کو جو عام انسان تھے جہاں والوں پر فضیلت بخشی اور جہاں والوں میں فرشتے بھی ہیں۔

سوال: اس آیت سے تو عام انسانوں کا فرشتوں کے رسول سے افضل ہونا ثابت ہوا؟

جواب: آیت سے ان کو مستثنیٰ کر دیا ہے گویا یہ عام خص عنہ البعض کے قبیل سے ہے۔

سوال: عام خص عنہ البعض تو ظنی ہوتا ہے؟

جواب: یہاں دلیل ظنی کافی ہے۔

دلیل: (۳) انسانوں میں برائی کا مادہ ہوتا ہے اس کے باوجود گناہوں سے بچنا باعثِ کمال ہے جب کہ فرشتے اس سے عاری ہیں۔

معتزلہ اور فلاسفہ کا نظریہ ہے کہ ملائکہ انسانوں سے افضل ہیں۔

دلیل: (۱) انبیاء افضل البشر ہونے کے باوجود ملائکہ سے علم حاصل کرتے ہیں اور ضابطہ ہے کہ معلم متعلم سے افضل ہوتا ہے۔

جواب: ملائکہ معلم نہیں ہوتے بلکہ مبلغ ہوتے ہیں اصل معلم تو اللہ تعالیٰ ہے۔

دلیل: (۲) قرآن وسنت میں ملائکہ کا ذکر انبیاء پر مقدم ہے ظاہر ہے کہ یہ تقدم ان کے اشرف ہونے کی وجہ سے ہے۔

جواب: ملائکہ کا تذکرہ پہلے کرنا وجود میں ان کے مقدم ہونے کی وجہ سے ہے۔

دلیل: (۳) باری تعالیٰ کا فرمان ہے لن یستنکف المسیح ان یکون عبدا للّٰہ ولا الملٰئکۃ المقربون یعنی عیسیٰ اللہ کا بندہ ہونے سے ہرگز شرماتا نہیں ہے اور ملائکہ اور

ضابطہ ہے کہ ایسی جگہوں پر پہلے ادنیٰ پھر اعلیٰ کا ذکر کیا جا تا ہے پس جب عیسی علیہ السلام ملائکہ سے ادنیٰ ہوئے تو تمام انسان بھی ادنیٰ ہوئے۔

جواب: یہاں ترقی من الادنی الی الاعلیٰ فضیلت میں نہیں ہے بلکہ ترقی امر تجرد میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نصاریٰ کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ فرشتے جن کے ماں باپ نہیں ہے وہ بندے ہونے سے شرم محسوس نہیں کرتے ہیں پس عیسیٰ جس کی ماں ہے وہ تو بطریق اولیٰ بندہ ہونے سے شرم محسوس نہیں کرے گا۔

دلیل: (۴) ملائکہ محض روح ہے اسی وجہ سے وہ افعالِ عجیبہ پر قادر ہیں جب کہ انسان اس سے عاری ہے۔

جواب: ہمیں یہ تسلیم ہی نہیں ہے کہ ملائکہ محض روح ہیں بلکہ وہ جسم لطیف ہیں اور اگر مان لیں کہ محض روح ہیں اور طاقتور ہیں تب بھی ملائکہ کا افضل ہونا ثابت ہونا نہیں ہوتا اس لیے کہ ہر طاقتور افضل نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب پالن پوری (رسولپوری)
شیخ الحدیث دارلعلوم چھاپی

اسلام ایک کامل اور مکمل دین ہے، جو عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اور سیاسیات کو حاوی ہے۔ ان میں عقائد کو دیگر تمام شعبوں کے لئے بنیاد کا درجہ حاصل ہے، عقائد میں توحید، رسالت اور آخرت یہ امہات العقائد ہیں، جن کو قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قولِ صادق سے حاصل کیا جاتا ہیں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ پہلی صدی ہی سے ایسے لوگ مسلمانوں کی صفوں میں پیدا ہوتے رہیں جو اسلام کے بنیادی عقائد اور کتاب وسنت سے ثابت امور میں تردید و تشکیک یا تاویل وانکار کی حد تک جا پہنچے۔ اور ان میں معتزلہ اور دیگر عقلیت پسندوں نے اپنا پورا زور صرف کیا، زمانۂ نبوت سے دوری جوں جوں بڑھتی گئی نئے نئے فتنے جنم لیتے رہیں۔ موجودہ دور گذشتہ فتنوں کے ساتھ الحاد جدید کا دور ہے جس کا شکار بے شمار لوگ ہو رہے ہیں۔

مدارسِ عربیہ میں قرآن وحدیث کی تعلیم اسی لئے دی جاتی ہے تا کہ پورا دینِ اسلام اپنے صحیح ماخذ کے ساتھ طلبہ کے سامنے آجائے، جن میں عقائدِ دینیہ بھی آجاتے ہیں، عرصۂ دراز سے عقائد کو مستقل مضمون کی حیثیت سے بڑھانے کے لئے شرحِ عقائد نسفیہ تقریباً تمام مدارس میں داخلِ نصاب ہے، علامہ عمر نسفی کا مختصر وجامع متن اور علامہ سعد الدین تفتازانی کی بے مثال شرح طالبینِ عقائد کو عقائد کے ساتھ

احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا گُر سکھانے میں مؤثر و کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ پڑھنے والے اس کتاب کو عام کتب کی طرح نہیں بلکہ ایک فن کو حاصل کرنے کے لئے اور باطل فتنوں سے مقابلے کا طریقہ سیکھنے کے ارادہ سے پڑھیں۔ کتاب کی بحثوں کو پڑھتے ہوئے بعض مرتبہ طلبہ کا ذھن شرح میں مذکور اعتراض و جواب تک محدود رہ جاتا ہے، اصل عقائد ذھن میں مستحضر نہیں رہتے حالانکہ کتاب کی روح وہ عقائد ہیں جو متن میں مذکور ہیں اور جن کو شارح نے مدلّل کیا ہیں۔

بندہ بھی اس ضرورت کو شدت سے محسوس کر رہا تھا کہ شرحِ عقائد کے صرف عقائد کو علٰحدہ مرتب کر دیا جائے تا کہ طلبہ کے لئے کتاب بہت ہی سہل ہو جائے۔ بہت ہی خوشی ہوئی یہ دیکھ کر کہ مُحِبّ مکرم مولانا مفتی زید صاحب پالن پوری (گٹھامنی) زید مجدہ (استاد تفسیر و حدیث جامعہ نور الاسلام دمن) نے بڑی ہی دلچسپ کتاب تیار کی یہ کتاب طلبہ کے ساتھ عوام کے لئے بھی بہت مفید ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس کا نفع عام و تام فرمائے۔ (آمین)

طالب دعا: ثناء اللہ رسولپوری

مدرس: دار العلوم چھاپی

۲۵/ ۴/ ۱۴۴۴ھ

حضرت مفتی عبدالرّب صاحب سعادتی
شیخ الحدیث جامعہ نورالاسلام (موٹی دمن)

الحمد لاھلہ و الصلاۃ علی اھلھا

علمِ کلام کی مشہور کتاب شرحِ عقائد کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اس فن کی کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں، مگر علامہ سعدالدین تفتازانی کی یہ کتاب پیچیدگیوں سے لبریز ہے۔تمام تر شروحات کے باوجود دورِ حاضر کی علمی زبوں حالی:۔طلبہ کی عیش کوشی نے اس کتاب کو ایک بھول بھلیاں بنا دیا ہے، اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ نصاب تعلیم میں علم الکلام کی ابتداء بھی اسی کتاب سے ہوتی ہے اور اختتام بھی اسی کتاب پر ہوتا ہے۔

تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اکثر طلبہ اس کتاب کو پڑھ کر فن آشنا نہیں ہوتے، کیونکہ ذیلی مباحث میں الجھ کر رہ جاتے ہیں، اس لئے دردِ دل رکھنے والے اساتذہ ذیلی مباحث حذف کرکے اصل عقائد مرتب کرکے پلانے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے ہی اساتذہ کامیاب ہوتے ہیں۔

اس لئے عرصۂ دراز سے یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ مادری زبان میں شرحِ عقائد کا ایسا خلاصہ طلبۂ عزیز کے سامنے پیش کیا جائے جو مختصر جامع ہونے کے ساتھ دقیق وعمیق اصطلاحات سے پاک ہوتا کہ طلبہ شرحِ عقائد سمجھنے کے قابل ہوسکیں، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مفتی زید صاحب زید مجدہ نے طویل تدریسی تجربات کی روشنی میں اس دیرینہ ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آسان شرحِ عقائد کے نام سے ایک کامیاب کوشش کی، واقعہ یہ ھیکہ موصوف نے سیکڑوں صفحات میں پھیلے ہوئے مضامین کو دریا بہ کوزہ کردیا ہے۔

یہ کتاب بفضلہٖ تعالیٰ مندرجۂ ذیل خوبیوں کا مرقع ہے۔(۱) ذیلی مباحث کو حذف کر کے فنی مباحث کا عطر کشید کرنے کی کاوش کی گئی ہے۔(۲) کتاب کے شروع میں کتاب سے متعلق مشکل اصطلاحات کو آسان کر کے پیش کیا گیا۔(۳) فرقوں کا تعارف کروا کر موجودہ فرقوں پر انطباق کرنے کے لئے گمراہی کی بنیاد بیان کی گئی ہے۔(۴) فرقوں کو سمجھانے کے لئے ایک مثال پر اکتفاء نہ کر کے امثلہ پیش کی گئی ہے۔(۵) جاں بہ جاں اسباق کا استخراج بھی کیا گیا ہے۔(۶) چند مروّجہ رسومات کی تردید بھی اچھوتے انداز میں کی گئی ہے۔

بندہ اوّلاً موصوف کو اس وقیع علمی کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہے اور ثانیاً طلبۂ عزیز کو دیانۃً یہ مشورہ دیتا ہے کہ شرحِ عقائد کے طلبہ اس کتاب کو ضرور مطالعہ میں رکھیں انشاءاللہ فنی مباحث کا خلاصہ اور عطر ان کے ہاتھ آجائے گا اور بڑی حد تک فن بھی حاصل ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی اس کاوش کو قبولِ عام نصیب کرے اور قلم کا یہ مسافر بے تکاں ترقی کرتا جائے‘ وما ذلک علی اللّٰہ بعزیز۔

طالب دعا: عبدالرّب واپی سعادتی

خادم: جامعہ نورالاسلام موٹی دمن

۲۹/ ۴/ ۱۴۴۴ھ

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ندوی
استادِ حدیث وادب فلاحِ دارین ترکیسر

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ' اما بعد!

ارباب علم واہل بصیرت کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ انسانی زندگی کی ابدی نجات وسلامتی اور حقیقی وکامل سعادت کے حصول کے لئے دنیا کی زندگی میں عقائد کی درستگی، پختگی اور اس پر استقامت ودوام لازم اور حتمی ہے' عقائد میں فساد اور انحراف کے ساتھ اچھے اعمال اور بڑی عظیم خدمات بھی قطعاً مفید نہیں ہوں گی اور نجات نہیں دلاسکتیں' اس لئے اسلام نے اپنی تعلیمات میں عقائد کی تصحیح' قلوب انسانی میں اس کی ترسیخ وتثبیت کو اولیت دی ہے' اور اپنی تعلیمات میں سرِ فہرست رکھا ہے' اس کا تقاضہ اور ہم ابنائے امت سے مطالبہ ہے کہ اس پرفتن اور اسلامی عقائد کے خلاف اس طوفانی زمانہ میں ہم اس کی طرف مکمل اور اپنی پوری طاقت صرف کریں تاکہ اسلامی عقائد سارے باطل عقائد پر غالب رہیں اور ان میں ضعف نہ پیدا ہونے پائے۔

اللہ پاک کا بڑا احسان اور فضل خاص ہے کہ علماء اسلام نے اس جانب خلفاً وسلفاً پوری توجہ فرمائی اور عقائد کی صحت قلوب انسانی میں اس کی ترسیخ کا نافع اور مقبول نظام بنایا' اور اسے رائج کیا ہے' مکاتب دینیہ ومدارس اسلامیہ نے اپنے نصاب میں عقائد سے متعلق جو کتابیں داخل کیا ہے اور اس باب میں جو سعیٔ بلیغ کیا ہے' وہ بہت قابلِ قدر اور لائقِ تقلید ہے۔

مدارسِ اسلامیہ فی الہند کے نصاب درس میں داخل کتاب جو عقائد اسلامیہ کے موضوع پر بہت مقبول اور متداول ہے ''شرحِ عقائد'' ہے۔ اس کتاب کو اس فن کی

امّہات الکتب میں شامل مانا جاتا ہے‘ علماءِ کرام نے اس پر غایت درجہ توجہ دی اور اس سے اعتناء کیا ہے‘ ”جامعہ نور الاسلام“ موٹی دمن کے مؤقر استاذ فاضل‘ ٹھوس علمی استعداد کے حامل‘ زبان وقلم کا اچھا ملکہ رکھنے والے مؤقر استاذ جناب مولانا مفتی زید صاحب فلاحی ’پالن پوری‘ زید علمہ وفضلہ کی ذات گرامی بھی انہیں مؤقر علماءِ عظام میں ہے جنہوں نے اس مایہ ناز کتاب کو اپنی علمی اور فنی خدمات کا مرکز بنایا ہے۔

”شرحِ عقائد“ جیسی اہم کتاب ایک زمانہ تک مولانا کے زیرِ درس رہی ہے‘ بڑی محنت وکاوش سے مولانا نے طلباءِ کرام کو اس کتاب کے درس کے ذریعہ اپنے علمی فیض سے سیراب کیا‘ دورانِ درس مولانا نے محسوس کیا کہ اس اہم کتاب سے استفادہ اور اس کے معانی کے فہم وادراک کے لئے کوئی معاون کتاب تحریر کی جائے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے فاضل مصنّف نے یہ کتاب تحریر فرمائی‘ اور علم وفضل میں ان کی پختگی کی بات ہے کہ اس عمدہ انداز میں یہ رسالہ ترتیب دیا جواب بجائے خود ایک تالیف بن گئی ہے‘ اور طلباءِ کرام اور علماءِ عظام دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔شرحِ عقائد سے پہلے اس کتاب کا پڑھنا‘ اس کے مباحث کو یاد کرنا کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔کیا ہی مناسب ہوگا کہ مدارس اسلامیہ اپنے نصاب میں شرحِ عقائد کے پہلے اس کتابچہ کو داخل کرلیں اور یاد کرائیں تو عقائد کے مسائل محفوظ اور شرحِ عقائد سے استفادہ بہت آسان ہوجائے گا۔

فاضل مصنف نے اس کتاب کا نام ”آسان شرحِ عقائد“ رکھا ہے جو واقعی اسم بامسمیٰ کی حیثیت رکھتا ہے‘ قارئین پڑھنے کے بعد شاید اتفاق کریں کہ

(۱) مصنّف نے اس کتاب میں زبان بہت آسان ’سہل الفہم‘ استعمال کی ہے‘ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صاحبِ کتاب کو مباحث پر پوری دسترس ہے اور ادائے معانی کا

کافی ملکہ رکھتے ہیں۔

(۲) کتاب کی زبان محض درسی نہیں ہے بلکہ علمی متانت کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں حمیت وغیرت کی گرمی سے بھرپور ہے، خصوصاً تردید باطل میں یہ چیز نمایاں ہوتی ہے۔

(۳) سوال وجواب کا اسلوب ترسیخ معانی فی القلوب والاذہان میں بہت مؤثر اور مفید ہے۔

(۴) عقائد حقہ کی مناسبت سے مصنّف نے چند اہم اُن مباحث کو زینتِ قرطاس بنایا ہے جو اس وقت کے اہم ترین اور سُلگتے ہیں، جن سے واقف ہونا اور اس کے خلاف غیرت وحمیت سے آراستہ ہونا ہم سب کے لئے لازم ہے۔

(۵) ان خصائص کی بنا پر یہ کہنا بہ جا ہوگا کہ مصنّف کتاب کی یہ کوشش اپنی نوعیت کی اس باب میں پہلی کوشش ہے، طلباء کرام اسے ہاتھوں ہاتھ لیں اور پختہ طور پر حفظ کرلیں تو ایک علمی، ایمانی، دینی نہایت قیمتی سرمایہ ان کے ہاتھ لگے گا۔

بندہ مصنّفِ کتاب کو اس کاوش پر اور دربار ربِّ کریم سے انہیں اس خدمت کی توفیق ملنے پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ پاک ان کو ہم سب کی طرف سے، پورے علمی حلقے اور امت مسلمہ کی طرف سے جزائے کامل عطا فرمائیں مصنّف کتاب کے اس علمی ودینی تحفہ کا پورا دینی وعلمی حلقہ ممنون ومشکور ہے۔ جزاہ اللہ خیراً فی الدارین۔ (آمین ثم آمین)

کتبہ: محمد حبیب الرحمٰن عبدالغفار ندوی

خادم: دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر

۱۲/ ۵/ ۱۴۴۴ھ